فلسطین نمبر اور **اقبال نمبر**

کے بعد اب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور کا

عراق نمبر

شائع ہو گیا ہے' جس میں

اسلام سے قبل عراق کی پانچ ہزار سالہ تاریخ کے علاوہ خلافت عباسیہ کے عہد میں عراق کے عروج' خلافتِ عثمانیہ میں اہلِ عراق کی خدمات' خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے پر مغربی استعمار کی عیارانہ سازشوں اور خصوصاً امریکہ کی ریشہ دوانیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کے علاوہ

جا بجا خاکے' نقشے اور مستند و معتبر اعداد و شمار "**عراق نمبر**"

کو گھریلو ضرورت کی ایک مستقل حوالہ جاتی کتاب بناتے ہیں

اپنی کاپی آج ہی بک کروائیں

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن' 36 کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۵۲

شمارہ: ۵

ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

مئی ۲۰۰۳ء

فی شمارہ -/۱۲

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارہ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک	125 روپے
☆ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	800 روپے
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون 5869501-02-03

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** ———— ۳

حافظ عاکف سعید

✿ **منتخب نصاب۔۲** ———— ۵

اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے اوصاف

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **ثانی اثنین** ———— ۲۵

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حافظ مہر محمد خطیب

✿ **حقیقت دین** ———— ۴۴

گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ کی حقیقت

ڈاکٹر سید رضوان علی

✿ **منہاج المسلم** (۲۹) ———— ۴۹

○ کھانے پینے کے آداب

○ دعوت کے آداب

علامہ ابوبکر الجزائری

✿ **تذکیر و موعظت** ———— ۶۳

انفاق فی سبیل اللہ

آمنہ اشفاق

✿ **یاد رفتگان** ———— ۷۴

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

پروفیسر خورشید احمد

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

پاک بھارت تعلقات میں شدید کشیدگی کے ایک طویل دورانئے کے بعد پچھلے ہفتے سے بہتری کے کچھ آثار پیدا ہوئے ہیں' جب بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے خلاف توقع پاکستان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا اعلان کیا۔ یوں تو پاک بھارت باہمی تعلقات کی نصف صدی سے زائد پوری تاریخ کشیدگی کے کوہ گراں تلے دبی نظر آتی ہے جو دو بڑی جنگوں کے علاوہ متعدد معرکوں اور محدود جنگی مہمات سے عبارت ہے' اور شاید اس پورے عرصے کے دوران کوئی دور ایسا نہیں آیا جس پر ہر اعتبار سے ''نارمل تعلقات'' کا لیبل چسپاں کیا جا سکے لیکن سابق وزیراعظم نواز شریف کے دور میں واجپائی کے دورۂ لاہور کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فضا یقیناً اس حوالے سے بہترین قرار دی جا سکتی ہے کہ باہمی کشیدگی کی شدت میں کمی کا گراف قابل رشک حدوں کو چھونے لگا تھا۔ ان حالات میں بجا طور پر توقع کی جانے لگی تھی کہ اب شاید کشمیر کا الجھا ہوا مسئلہ بھی ''کچھ لو کچھ دو'' کے اصول پر باہم مذاکرات کے ذریعے طے ہو جائے گا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! ـــــ یہ بات تا حال ایک سربستہ راز ہے کہ کارگل کی جنگی مہم کے پیچھے کون سا نادیدہ ہاتھ کارفرما تھا' ـــــ کوئی بعید نہیں کہ امریکہ اور برطانیہ کے خفیہ اشارے پر ہم نے یہ ایڈونچر کیا ہو' کہ پاکستان اور بھارت کو باہم لڑائے رکھنا ہمیشہ سے ان مغربی طاقتوں کی خارجہ پالیسی کا اہم حصہ رہا ہے ـــــ بہرکیف' کارگل کے بعد سے آج تک' کم و بیش چار سال کا عرصہ پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے ناخوشگوار ترین عرصہ تھا جس میں ''آگرہ مذاکرات'' کے ایک مختصر سے وقفے کے سوا پورا عرصہ دونوں ملکوں کی فضا پر بدترین کشیدگی کے دبیز بادل مسلط رہے اور مسلسل حالت جنگ جیسی کیفیت طاری رہی۔ بھارتی وزیراعظم کا لب و لہجہ گزشتہ چار سالہ عرصے کے دوران ناقابل برداشت حد تک تلخ اور توہین آمیز رہا اور بال ٹھاکرے اور ایڈوانی جیسے پاکستان دشمن عناصر کو کھل کھیلنے اور زہر اگلنے کا موقع ملا۔ بھارت نے نائن الیون کے واقعے سے فائدہ اٹھانے کی سرتوڑ کوشش کی اور بھارت اپنی پوری جنگی قوت کے ساتھ پاکستان کی سرحد پر مسلسل کئی ماہ تک براجمان رہا۔ عراق پر امریکی حملے کے مبینہ اسباب کو جواز بنا کر بھارت نے پاکستان کو پیشگی حملے کے لئے ایک نہایت ''موزوں کیس'' قرار دینے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ـــــ اِسی تصویر کا دوسرا رخ بھی ہرگز حوصلہ افزا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ امریکہ مسلسل پاکستان پر دراندازی کا الزام لگا کر بھارت کی ہاں میں ہاں ملانے اور پاک بھارت تنازعے میں اپنا وزن بھارت کے پلڑے میں ڈالنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ اسرائیل' امریکہ اور برطانیہ کی جانب سے پاکستان کی ایٹمی صلاحیت اور ایٹمی تنصیبات پر گہری تشویش کا اظہار بھی وقفے وقفے سے کیا جاتا رہا ہے۔

اور حال ہی میں یو این او کے اسلحہ انسپکٹروں کی ٹیم کی پاکستان آمد کی خبر بھی ناپاک امریکی عزائم کا واضح پتہ دیتی ہے کہ پاکستان کو نفسیاتی اعتبار سے دیوار سے لگا کر اسے غیر مسلح کرنا اور ''تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں'' کو اپنے قبضے میں کرنا امریکہ' اسرائیل اور بھارت پر مشتمل شیطانی مثلث کی ترجیح اوّل ہے ـــــ اس تناظر میں بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کا پاکستان کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانا

اگر چہ ''ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!'' کے مصداق بہت سے شکوک وشبہات کو جنم دیتا ہے' تاہم دوستی کی اس پیشکش کو یکطرفہ طور پر مسترد کر دینا بھی دانشمندی کے خلاف ہوگا۔ حکومتِ پاکستان کے لئے یہ صورتِ حال ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس امکان سے قطع نظر کہ بھارت اس پیشکش کے ذریعے پاکستان کو کسی دام ہمرنگ زمیں میں الجھانا چاہتا ہے' پاکستان کو اس خداداد موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے حکمت وفراست کے ساتھ اس بھارتی پیشکش کو اپنے حق میں موڑنے کی بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔ اس حوالے سے حزبِ اختلاف اور حزبِ اقتدار کی تفریق روا رکھے بغیر تمام سیاسی پارٹیوں کو اعتماد میں لینا اور اس اہم مسئلے پر قومی اتفاق رائے کے حصول کے لئے تمام سیاسی شخصیات کو مذاکرات کی دعوت دینا ازبس ضروری ہے۔

اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کشمیر کے معاملے میں امریکہ کی خراب نیت کو بھانپتے ہوئے واجپائی نے پاکستان سے باہمی مذاکرات کے ذریعے معاملے کو طے کرنے کی خاطر دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہو —— یہ امر واقعہ ہے کہ تنازعہ کشمیر پر بھارت نے ہمیشہ امریکی ثالثی کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے جبکہ پاکستان نے ہمیشہ امریکہ کو بطور ثالث قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے —— کشمیر کی اہم سٹریٹجک پوزیشن کے حوالے سے امریکہ کی رال ٹپکنے لگی ہے اور وہ پورے کشمیر اور بلتستان پر مشتمل ایک ''آزاد ریاست'' کے قیام کی صورت میں ''دنیا کی چھت'' پر اپنا فوجی اڈہ قائم کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے بھارت اس امر سے بخوبی واقف ہے' اسی لئے وہ کشمیر کی بانٹ کا معاملہ امریکی بندر کو سونپنے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔ یہ صورت حال پاکستان کے لئے ''شر میں خیر'' کا درجہ رکھتی ہے۔ حکمت وفراست اور بالغ نظری کے ساتھ ساتھ نیک نیتی سے بھارت کے ساتھ دوطرفہ مذاکرات کے ذریعے اس مسئلے کے حل کی کوشش یقینی طور پر پاکستان کے لئے بہتر اور مفید نتائج کی حامل ہوگی۔

ہمیں اس امر کو نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم اپنی غلط پالیسی کے نتیجے میں اپنی آزادی وخودمختاری امریکہ کو فروخت کر چکے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی ''دہشت گردانہ مہم'' کا حصہ بن کر ہم مسلمانانِ عالم کی نگاہوں میں تو گرے ہی ہیں' اپنی اخلاقی بنیادوں سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔ ہم داخلی طور پر سیاسی نااتفاقی اور بحرانوں کی زد میں ہیں۔ اگر ہمارا ایٹمی ڈیٹرنٹ بھی ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا تو ہم بھارت کے لئے ترنوالہ بن جائیں گے۔ پاکستان کی قوت واستحکام کی اصل بنیاد اسلام ہے۔ بقول اقبال ؎

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے　　اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے!

اگر ہم نے اسلامی نظام اور خلافت راشدہ کے قیام کو اپنی منزل نہ بنایا تو خاکم بدہن پاکستان اپنی خودمختاری اور سالمیت یا کم از کم ایٹمی صلاحیت سے مکمل طور پر ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ بھارت کی دوستی کی پیشکش ہمارے لئے بحیثیت قوم اللہ کی طرف سے ایک مہلت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس مہلت سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے قبلے کی درستی اور اپنی منزل کا از سر نو تعین ضروری ہے' بصورت دیگر آسمانِ امریکہ میں ہماری بربادیوں کے مشورے تو ہو ہی رہے ہیں۔ ○○

درس ۲

اقامت دین کے لئے کام کرنے والوں کے

مطلوبہ اوصاف

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعدُ:

فاعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ لا اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ز یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ط ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾ (المائدۃ: ۵۴)...... صدق اللّٰہ العظیم

سورۃ الفتح کی آخری آیت میں ان لوگوں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں جو اقامت دین کی جدوجہد کے لئے کمر کس لیں اور غلبۂ دین کے لئے میدان میں اتریں۔ وہی مضمون نہایت جامعیت کے ساتھ اور اِک ذرا مختلف اسلوب میں سورۃ المائدۃ کی اس آیت میں آ رہا ہے۔ بلکہ یہاں ایک اضافی حسن سامنے آئے گا۔ میں نے وہاں اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف کے تین ابعاد (three dimensions) مکمل کرنے کے لئے سورۃ الصّف سے مدد لی تھی کہ ان تین اَبعاد میں سے ایک سورۃ الصّف کی اس پکار میں سامنے آتا ہے: ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ط﴾ یعنی اللہ کی راہ میں مال کا خرچ کرنا اور جان کا کھپانا (انفاقِ مال اور بذلِ نفس) ان کے اوصافِ ثلاثہ میں سے پہلا

وصف ہے۔ دوسرا ان کا یہ وصف کہ کفار کے مقابلے میں بہت سخت ہیں جبکہ آپس میں بہت رحیم ہیں ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ﴾۔ان کا تیسرا خصوصی وصف تعلق مع اللہ ہے ﴿تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ﴾ گویا کہ وہ آیت مبارکہ جو سورۃ الصف میں آئی ﴿ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴾ تو ان اَبعادِ ثلاثہ میں سے ایک dimension تو اس کے ساتھ متصل ہو کر آ گئی اور بقیہ دو ﴿ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ط وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ﴾ کے ساتھ متصل ہو کر آ گئیں۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ میں آپ دیکھیں گے کہ یہ تینوں یکجا ہیں۔ گویا کہ مضمون وہی ہے لیکن یہاں مزید جامعیت ہے اور اس میں ایک اضافی حسن موجود ہے۔

مسلمانوں سے قرآن حکیم کا اندازِ خطاب

ارشاد ہوا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''اے ایمان والو!'' یا بالفاظِ دیگر ''اے ایمان کے دعوے دارو!'' میرے دروس میں بارہا یہ بات آ چکی ہے کہ قرآن مجید میں ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا '' کا صیغۂ خطاب مسلمانوں کے لئے ہے اب مسلمانوں میں مؤمنین صادقین بھی شامل ہیں اور منافقین بھی۔ مسلمانوں میں عزیمت اور ہمت والے بھی شامل ہیں اور رخصتوں پر چلنے والے بھی۔ مسلمانوں میں ضعفاء بھی ہیں اور قوی بھی۔ میرا ذہن حضور ﷺ کی اس حدیث کی طرف منتقل ہوا ہے: ((اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَاَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ)) (مسلم) یعنی وہ مؤمن جو قوی ہو ضعیف مؤمن سے بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ اب یہ قوت اور ضعف بھی سمجھ لیجئے کہ ایک ظاہری ہوتا ہے اور ایک باطنی۔ ظاہر بات ہے کہ انسان کے جسم و جان میں ظاہری توانائیاں بھی درکار ہیں' تب ہی وہ محنت کر سکے گا' بھاگ دوڑ کر سکے گا' مقابلہ پیش آئے گا تو اس میں بھی قوت و توانائی کی ضرورت ہوگی۔ لیکن ایک انسان کی باطنی قوت یعنی قوت ارادی ہوتی ہے جس کو ہم ہمت و عزیمت کہتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا

ہوتا ہے کہ کسی کا تن وتوش تو بہت ہے' گوشت اور چربی کا منوں وزن موجود ہے لیکن ہمت نام کو موجود نہیں ہے' اور بسا اوقات آپ کو نظر آئے گا کہ جسم بہت ہی لاغر اور بہت ہی نحیف و ناتواں ہے' لیکن اندر جو ہمت و عزیمت ہے وہ کوہِ ہمالہ کے مانند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بارہا قرآن مجید میں حضور ﷺ سے خطاب فرماتے ہوئے منافقین کے بارے میں کہا گیا کہ اے نبیؐ! آپؐ ان کے تن وتوش سے متاثر نہ ہوں ﴿وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ﴾۔ اس کے برعکس دیکھئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضعیف و ناتواں رقیق القلب انسان تھے' لیکن ان میں ہمت و عزیمت جس درجے کی تھی وہ خاص طور پر حضور ﷺ کے انتقال کے بعد ظاہر ہوئی کہ جس قسم کے حالات یک دم پیدا ہوئے اور جس طرح سے ہر طرف سے ایک طوفان اٹھا اس طوفان میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس طرح کی عزیمت کا ثبوت دیا اس میں یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان سے بہت پیچھے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے بھی مصلحت کا مشورہ دیا تھا کہ کم سے کم مانعین زکوٰۃ کے ساتھ ایک نیا محاذ نہ کھولئے۔ تو اصل میں ہر اعتبار سے قوی اور ضعیف مسلمانوں میں تو گڈمڈ ہیں' لہٰذا جب قرآن مجید میں ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کے الفاظ سے خطاب ہوتا ہے تو وہاں یہ معین کرنا پڑتا ہے کہ روئے سخن اصلاً کن کی طرف ہے۔ کہیں وہ مؤمنین صادقین کی طرف ہوتا ہے اور کہیں اصلاً اس وقت مخاطب منافق ہوتے ہیں' لیکن ان سے بھی قرآن میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا'' بلکہ ان سے بھی خطاب ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کہہ کر ہی کیا جاتا ہے' کیونکہ درحقیقت قانوناً وہ بھی مسلمان ہیں اور ایمان اور اسلام کے دعوے دار ہیں۔ اس لئے کہیں کہیں میں ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کا ترجمہ ''اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو!'' کیا کرتا ہوں' جس کو ترجمہ نہیں ترجمانی کہنا چاہئے۔

ارتداد کا مفہوم اور اس کی اقسام

فرمایا: ﴿مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ﴾ ''جو کوئی لوٹ گیا تم میں سے اپنے دین سے''۔ ارتداد کے لفظ کو سمجھ لیجئے۔ رَدَّ یَرُدُّ کے معنی ہیں لوٹا دینا۔ اسی سے لفظ مردود ہے'

یعنی لوٹایا ہوا' جس کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے دھکے دے دیئے گئے' راندۂ درگاہِ حق۔ اس سے بابِ افتعال میں ''ارتداد'' بنا۔ ارتداد کے معنی ہوں گے خود لوٹ جانا' خود پھر جانا' پسپائی اختیار کرنا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ابھی میں نے قوت وضعف کا ذکر کیا کہ ایک ظاہری ہے ایک باطنی ہے۔ اسی طرح ایمان سے پسپائی بھی ایک ظاہری ہے ایک باطنی۔ ظاہری پسپائی یا علی الاعلان پسپائی کو ہم عرف عام میں یا اصطلاح میں ارتداد کہتے ہیں۔ ایک شخص کھلم کھلا اسلام سے انحراف کا اعلان کر کے کوئی اور مذہب اختیار کر لیتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ مرتد ہو گیا۔ حضرت اُمّ حبیبہؓ اپنے جس مسلمان شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئی تھیں وہ وہاں جا کر عیسائی ہو گیا تھا۔ یہ بالکل ابتدائے اسلام میں ارتداد کا واقعہ ہے۔ پھر جو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا آخری دَور ہے اس میں ارتداد شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ نئی نبوت کے دعوے دار صرف حضور ﷺ کے انتقال کے بعد کھڑے نہیں ہوئے تھے بلکہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں یہ فتنہ سر اٹھا چکا تھا۔ کچھ طالع آزما قسم کے لوگوں نے یہ دیکھا کہ نبوت کی بنیاد پر محمدؐ کی دکان تو خوب چمک گئی (معاذ اللہ) اور انہوںؐ نے کیا کچھ حاصل کر لیا' تو ''آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی!'' کے مصداق اگر ہم بھی نبوت کا دعویٰ کریں تو شاید ہمارا دھندا بھی چمک جائے۔ جن کور باطن لوگوں نے اسے حضور ﷺ کا دھندا سمجھا تھا انہوں نے اپنا دھندا جمانے کی کوشش کی۔ اور یہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ہوا۔

تو ایک ارتداد ہے اسلام سے علی الاعلان' کھلم کھلا انحراف' کسی اور نبوت کا اقرار یا کسی اور مذہب کو قبول کر لینا۔ اسلام میں اس قسم کے مرتد کی سزا قتل ہے۔ البتہ ایک باطنی ارتداد ہے کہ آدمی اندر ہی اندر مرتد ہو گیا ہو۔ گویا انڈے کے اندر جو کچھ تھا چوزہ تو بن چکا ہے مگر ابھی خول ٹوٹا نہیں ہے۔ قانون کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ جب تک وہ خول نہیں ٹوٹتا اس وقت تک وہ مسلمان شمار ہوگا۔ اندر سے انسان کافر ہو چکا ہو اور قانونی اعتبار سے ظاہراً مسلمان ہو تو یہ باطنی ارتداد ہے جس کو ہم نفاق کہتے ہیں۔ منافق حقیقت میں کافر تو ہو چکا لیکن قانوناً وہ مسلمان رہتا ہے۔ سورۃ المنافقون میں' جو

ہمارے منتخب نصاب (۱) میں شامل ہے' الفاظ آئے ہیں: ﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا...... ﴾ ''یہ اس لئے ہوا کہ وہ ایمان لائے تھے' پھر انہوں نے کفر کیا......'' لیکن یہ کفر کون سا تھا؟ یہ اعلانیہ کفر نہیں تھا' بلکہ اندر ہی اندر کا کفر تھا۔

سورۃ المائدۃ کی زیرِ نظر آیت کے سمجھنے میں یہی لفظ ''ارتداد'' رکاوٹ بن گیا ہے' کیونکہ اس کا جو بھی عام مفہوم ہے' یعنی قانونی اور ظاہری ارتداد' اکثر لوگوں نے اسی پر اس کو محمول کر لیا ہے' حالانکہ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ مفہوم نہیں ہے' بلکہ باطنی پسپائی یعنی نفاق مراد ہے جس میں انسان اندر ہی اندر لوٹ رہا ہوتا ہے۔ میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں' ایک شعوری اور ایک غیر شعوری۔ یعنی آدمی اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہوتا ہے جبکہ اسے خود پتہ نہیں ہوتا کہ میں کھوکھلا ہو چکا ہوں اور ایک یہ کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ میں اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہوں' میں نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اسلام کا صرف لبادہ اوڑھ رکھا ہے' حقیقت میں اندر سے میں بدل چکا ہوں۔

نفاق کے مراحل و مدارج

غیر شعوری پسپائی یا نفاق کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی کی ہمت جواب دینے لگتی ہے کہ اسلام کے تقاضے تو بڑے کٹھن ہیں' یہ تو قدم قدم پر کہتا ہے کہ لاؤ جان حاضر کرو' آؤ نکلو اللہ کی راہ میں نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر۔ یہ معاملہ تو بہت مشکل اور کٹھن ہے۔ اب یہاں سے وہ پسپائی شروع ہو گئی۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ معاملہ تو وہ ہے کہ یا تو آپ آگے بڑھیے' ورنہ آپ پیچھے ہٹنا شروع ہو جائیں گے' اس لئے کہ ع ''سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں!'' ایک آدمی پیش قدمی کر رہا ہے' آگے بڑھ رہا ہے' ہر چہ بادا باد ما کشتی درآب انداختیم! لیکن کسی وجہ سے ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا کہ نہیں بھائی' آگے خطرہ ہے' آگے مشکلات ہیں۔ تو اب یہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو جانا اس کو کھڑا نہیں رہنے دے گا' بلکہ اب ریورس گیئر لگے گا اور وہ لامحالہ پیچھے کی طرف پسپائی شروع کر دے گا' البتہ ابتدائی مرحلہ میں اس کا اعتراف ہو گا کہ میری

کمزوری ہے' میں کمزور آدمی ہوں' مجھ سے خطا ہوگئی' میری معذرت قبول کی جائے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ایسے لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف کرتے اور درخواست کرتے کہ حضورؐ مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے' آپؐ خود بھی مجھے معاف فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے بھی میرے لئے استغفار کریں۔ اس کو نفاق نہیں کہیں گے' یہ صرف ضعف ایمان ہے۔ لیکن اس سے اگلے مرحلے میں اب آدمی جھوٹے بہانے بنانا شروع کرتا ہے' اپنے طرزِ عمل کی عقلی توجیہہ پیش کرتا ہے اور اس کی justifications دیتا ہے کہ نہیں جی' یہ بات نہیں تھی' مجبوری تھی' میں تم سے کوئی کم نہیں ہوں' یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنے جذبے میں کمی کی وجہ سے پیچھے رہ گیا' بلکہ میری مجبوری تھی' حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ اب جب یہ جھوٹ شروع ہوا تو یوں سمجھ لیجئے کہ ایسے شخص نے ضعف ایمان سے آگے بڑھ کر نفاق کی سرحد میں قدم رکھ دیا۔ یہ گویا نفاق کی پہلی سٹیج ہے۔

نفاق کی دوسری سٹیج تب آتی ہے کہ جب انسان محسوس کرتا ہے کہ جھوٹ بول بول کر اب تو حال یہ ہوگیا ہے کہ میرا اعتبار اٹھ گیا ہے' تو اب وہ اپنے جھوٹ کو جھوٹی قسم سے زیادہ مؤکد کرتا ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً﴾ ''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے''۔ اب ان کا طرزِ تکلم یہ ہوتا ہے کہ خدا کی قسم! یہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں صحیح ہے' مجھے واقعتاً مجبوری لاحق تھی۔

نفاق کی تیسری سٹیج وہ آتی ہے کہ جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ میرا راز اب طشت از بام ہو چکا ہے' اب میری قسموں کا بھی اعتبار اٹھ گیا ہے' تو اب طبیعت میں ایک جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے اور جو لوگ اللہ کے دین کے راستے میں اپنے مال و جان قربان کرتے ہوئے سیدھے آگے بڑھ رہے ہوتے ہیں ان سے ایک بغض و عناد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انہوں نے ہمارے لئے مصیبت ڈالی ہوئی ہے' یہ آگے بڑھتے ہیں تو ہمارا پیچھے رہنا نمایاں ہو جاتا ہے' اگر یہ بھی آگے نہ بڑھیں' سب بیٹھے رہیں تو سب برابر رہیں' ان کا دماغ خراب ہوگیا ہے' یہ fanatics ہیں' جنونی ہیں' پاگل ہیں' سُفَھَاء ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا

كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ﴾ ''اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں: کیا ہم بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟'' یہ تو بے وقوف لوگ ہیں' انہیں اپنے خیر اور شر کا پتہ نہیں' نفع ونقصان کی فکر نہیں' ہم تو ایسے پاگل اور بے وقوف نہیں ہیں۔ یہ تیسری اور آخری سٹیج ہے' یہ تباہی اور بربادی کی وہ سرحد ہے کہ جس سے اب واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

دین کے تقاضوں سے گریز کا انجام

اصل میں یہی پسپائی ہے جو یہاں (سورۃ المائدہ کی آیت ۵۴ میں) زیر بحث ہے۔ warn کیا جا رہا ہے کہ دیکھو' کہیں اندر ہی اندر ضعف ایمان میں مبتلا ہو کر نفاق کے راستے پر نہ پڑ جانا۔ اب فرض کیجئے کہ کوئی شخص پہلی سٹیج پر ہے تو متنبہ ہو جائے اور واپس لوٹ آئے اس راستے کی طرف کہ ہر چہ بادا باد' اگر دوسری سٹیج پر ہے تب بھی واپسی کا امکان ہے' لیکن اگر تیسری سٹیج پر پہنچ گئے تو اب وہ ''point of no return'' ہے' پھر وہاں سے لوٹنے کا امکان نہیں رہے گا۔ اس لئے آگاہ کیا جا رہا ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ...... ﴾ ''اے ایمان کے دعوے دارو! جو کوئی بھی لوٹ گیا تم میں سے اپنے دین سے......'' یعنی اپنے دین کے تقاضوں کو ادا کرنے سے گھبرا گیا ـــــ ذرا اپنے باطن میں نظر ڈالو' اپنے گریبانوں میں جھانکو! اگر یہ محسوس کرو کہ پسپائی کے عمل کا آغاز ہو گیا ہے تو فوراً ہوش میں آ جاؤ۔ یہاں کلام میں حذف کا اسلوب ہے کہ جو بھی تم میں سے پیچھے پھر جائے گا وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ کا کچھ بگاڑ لے گا۔ یہ مفہوم یہاں پر محذوف یا مقدر (understood) ہے۔ تمہارے پھر جانے سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا' اس لئے کہ اللہ تو کسی اور کو اٹھا لائے گا' وہ کسی اور کو یہ سعادت عطا فرما دے گا۔ وہ تو ایک سعادت تھی جو اللہ نے تمہیں عطا فرمائی تھی ؎

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منّت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت!

''تم اپنا احسان نہ دھرو کہ تم بادشاہ کی خدمت کر رہے ہو' بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کا موقع عنایت فرمایا''۔

یہ تو ایک سعادت تھی کہ اللہ نے تمہیں چن لیا' تمہیں پسند فرما لیا' هُوَ اجْتَبٰكُمْ ۔ لیکن اب اگر تم اس سے دستبردار ہو رہے ہو' پسپائی اختیار کر رہے ہو' کم ہمتی کا اظہار کر رہے ہو تو اس سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا' اللہ تمہاری جگہ کسی اور کو اٹھا دے گا' وہ پوری کی پوری قوم کو ختم کر کے کسی نئی قوم کو اپنے دین کا جھنڈا تھما سکتا ہے۔ وہ تو پوری نوعِ انسانی کو ختم کر کے ایک بالکل نئی نسل پیدا کر سکتا ہے۔ افراد کو ہٹا کر ان سے بہتر افراد لا سکتا ہے۔ لہٰذا اس میں سارا نقصان تمہارا اپنا ہے' اللہ کا نہ کوئی گھاٹا ہے اور نہ نقصان ہے۔

اقامت دین کی جدوجہد کے لئے مطلوبہ اوصاف

فرمایا: ﴿فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ ﴾ ''تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا''۔ اب اس قوم کے کیا اوصاف ہوں گے؟ وہ آپ کو یہاں تین dimensions نظر آ جائیں گی۔ گویا کہ بالواسطہ تلقین ہو رہی ہے کہ اگر اس راستے پر چلنا ہے تو تمہیں یہ تین اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے ہوں گے۔ یہ اصل میں مؤمنین صادقین کے تین اوصاف کا بیان ہے:

﴿يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ﴾ ''(۱) جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا۔ (۲) جو اہل ایمان پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔ (۳) جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے''۔

یہاں ذرا ترتیب اور اسلوب بدلتا ہے۔ گزشتہ نشست میں ہم نے دیکھا کہ سورۃ الصّف کے حوالے سے پہلے جہاد کا ذکر آیا تھا' لیکن یہاں جہاد آخر میں ہے۔ پھر سورۃ الفتح میں پہلے یہ وصف بیان ہوا: ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾۔ یہاں اس کا ذکر بھی بعد میں ہے: ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾۔ وہاں ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ پہلے ہے ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ بعد میں ہے' جبکہ یہاں

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ پہلے ہے اور ﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ بعد میں ہے۔

پھر وہاں ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا﴾ کے الفاظ میں تعلق مع اللہ کا وصف آخر میں بیان کیا گیا‘ یہاں آغاز اس وصف سے کیا جا رہا ہے‘ لیکن اس کے لئے الفاظ مختلف ہیں: ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ ”جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا“۔ یہ ہے اللہ اور بندے کے مابین باہمی محبت کا ایک رشتہ۔ عجیب بات ہے کہ وہاں اس تعلق مع اللہ کی صرف ایک جہت بیان ہوئی کہ وہ نماز پڑھتے ہیں ﴿تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ یہاں اس تصویر کا دوسرا رُخ نمایاں کیا گیا اور اس کا ذکر پہلے لایا گیا۔ اس لئے کہ اللہ اور بندے کے مابین جو بھی نسبت و تعلق ہے وہ دوطرفہ ہے۔ بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اللہ بھی بندے سے محبت کرتا ہے۔ بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ بھی بندے کو یاد کرتا ہے ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ ”تم مجھے یاد رکھو‘ میں تمہیں یاد رکھوں گا“۔ اور حدیث قدسی میں (جو متفق علیہ ہے) اس کی نہایت پیاری شرح آئی ہے کہ میرا بندہ اگر مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور میرا بندہ اگر کسی محفل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس سے کہیں اعلیٰ محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ ملاءِ اعلیٰ اور ملائکہ مقربین کی محفل میں اس بندے کا ذکر فرماتا ہے) اور اگر میرا بندہ بالشت بھر مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں ہاتھ بھر اس سے قریب ہوتا ہوں۔ اور اگر میرا بندہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ تو یہ تعلق مع اللہ کا معاملہ یک طرفہ نہیں ہے بلکہ دوطرفہ ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا: ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ ”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا“۔ اسی طرح کا معاملہ ولایت باہمی کا ہے کہ جو اہل ایمان اللہ کے ولی ہوتے ہیں اللہ ان کا ولی ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ ”اللہ اہل ایمان کا حامی و مددگار ہے‘ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال کر لاتا ہے“۔ اور ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾ ”آگاہ رہو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے کسی خوف اور

رنج کا موقع نہیں ہے''۔تو یہ موالاتِ باہمی ہے کہ تم میرے دوست بنو تو میں تمہارا دوست ہوں۔اس اعتبار سے نوٹ کیجئے یہ بڑا پیارا مقام ہے:﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ ''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے''۔

اس جگہ ایک بڑی لطیف بات آئی ہے جو درحقیقت صوفیاء کا موضوع ہے کہ ان مطلوبہ اوصاف میں سب سے پہلے اللہ کی محبت کا ذکر ہوا ہے۔اصل میں یہ اللہ کا سلیکشن ہے۔یہ جان لیجئے کہ پہلے اللہ اپنے کسی بندے کو چنتا ہے اور اس کا چناؤ (selection) ہی اس بندے کے لئے کل خیر کی توثیق کا اصل سبب بنتا ہے۔اہل جنت کی زبانوں پر جو ترانۂ حمد ہوگا اس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:﴿وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾''ہم ہرگز ہدایت نہ پاسکتے اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا''۔گویا اس نے ہمیں چنا ہے۔سورۃ الحج کے آخری رکوع میں ارشاد ہوا:﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾''اس نے تمہیں چن لیا ہے''۔اب اس میں جو سرور اور کیف ہے یہ سرور دنیا کی بڑی سے بڑی مشکل کو آسان کردے گا۔یہ کیف وہ ہے کہ دنیا کی کسی بڑی سے بڑی ظاہری نعمت میں وہ کیف اور سرور نہیں ہوگا کہ اللہ نے مجھے پسند فرمایا' اللہ کی نظرِ عنایت مجھ پر ہے' میں اللہ کی نگاہِ التفات میں ہوں (جیسے نبی اکرم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:﴿فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾''تم ہماری نگاہوں میں ہو!) مجھے خیر کی توفیق ملی ہے تو زہے نصیب کہ ع قرعہ فال بنامِ من دیوانہ زدند! اب اس کیف کو اپنے اوپر طاری کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ یہ چیز انسان کے لئے استقامت کی کتنی بڑی بنیاد بنے گی۔وہ جو اقبال کہتا ہے کہ ع ''اپنی خودی پہچان' او غافل افغان!'' اسی طرح بندہ اپنی اس حیثیت کا شعور وادراک کرے کہ میرے ربّ کا بلاوا میرے نام آیا ہے' مجھ تک یہ بات پہنچی ہے تو خود تو نہیں پہنچی' کسی کے پہنچائے پہنچی ہے' میرے دل میں نیکی کا یہ ارادہ پیدا ہوا تو از خود نہیں ہوا' اُسی کے پیدا کئے پیدا ہوا ہے۔اور یہ درحقیقت محسوس کرنے کی شے ہے' اس کو الفاظ میں بیان کرنا بھی فی الواقع ممکن نہیں ہے۔﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے''۔

اقامت دین کی جدوجہد میں اصل نصب العین اور اصل جذبۂ محرکہ یہی ہونا چاہئے۔ یہی ہوگا تو جدوجہد میں دوام ہوگا' ثبات ہوگا' استقامت ہوگی۔ اور اگر یہ نہیں ہے' بلکہ کوئی دنیاوی تبدیلی لے آنا' کوئی انقلاب برپا کر دینا' کوئی نظام درست کر دینا پیش نظر ہے' اور اسی کو کہیں نصب العین کا درجہ دے دیا تو مار کھا جائیں گے۔ پھر وہ استقامت حاصل نہیں ہوسکتی۔ استقامت کی اصل بنیاد یہی ''محبت خداوندی'' ہے۔ ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ ''اور جو اہل ایمان ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت شدید ہیں''۔ یہ جذبۂ محبت موجود ہے تو گویا کہ رخ صحیح ہو گیا اور انسان کا اصل جذبۂ محرکہ اب خالص ہو گیا۔ ورنہ ع ''گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!'' عبادت کے ضمن میں بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ''اَلْعِبَادَۃُ تَجْمَعُ اَصْلَیْنِ : غَایَۃَ الْحُبِّ مَعَ غَایَۃِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ '' یعنی ''عبادت کی دو بنیادیں ہیں: اللہ تعالیٰ سے انتہا درجے کی محبت اور اس کے سامنے انتہائی عاجزی اور پستی اختیار کرنا''۔

اب دوسرا وصف آیا: ﴿اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ﴾ ''مؤمنوں پر بہت نرم' کافروں پر بہت سخت''۔ یہی وصف سورۃ الفتح کے آخری رکوع میں بایں الفاظ بیان ہو چکا ہے: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ﴾ اس سے آپ اس کی اہمیت کا اندازہ کیجئے۔ یہ بارہا کا بیان کردہ اصول ہے کہ اہم مضامین قرآن مجید میں کم سے کم دو مرتبہ ملتے ہیں اور ان میں اکثر و بیشتر ترتیب عکسی ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ الحج کے آخری رکوع میں شہادت علی الناس کے ضمن میں حضور ﷺ کا ذکر پہلے اور اُمت کا بعد میں ہے: ﴿لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ﴾ جبکہ سورۃ البقرۃ میں اُمت کا ذکر پہلے اور حضور ﷺ کا ذکر بعد میں آیا ہے: ﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا﴾ یہ بات آپ کو قرآن حکیم میں اکثر و بیشتر ملے گی۔ مزید یہ دیکھئے کہ سورۃ الفتح میں ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ'' پہلے اور ''رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' بعد میں ہے' لیکن یہاں ''اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ'' پہلے اور ''اَعِزَّۃٍ عَلٰی

الْکٰفِرِیْنَ ''بعد میں ہے۔''اَذِلَّۃٍ'' جمع ہے ذلیل کی اور''اَعِزَّۃٍ'' جمع ہے عزیز کی۔ ذلیل اور عزیز ایک دوسرے کے اضداد (antonyms) ہیں۔ لیکن ذلیل کا لفظ ہمارے ہاں جس معنی میں مستعمل ہے عربی میں اس کا اصلی مفہوم وہ نہیں ہے' بلکہ ذلیل کے معنی کمزور کے ہیں۔ گویا وہی بات جو میں نے گزشتہ درس میں علامہ اقبال کے شعر کے حوالے سے کہی تھی کہ ع

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

دوستوں کے لئے نہایت نرم خو۔ دوست جو فرمائش کر رہے ہیں ٹھیک ہے' قبول ہے۔ انہوں نے کوئی بات چاہی تو حاضر ہیں' کرنے کے لئے تیار ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے لئے بہت ہی نرم اور ڈھل جانے والے ہیں' موم کی طرح پگھل جانے والے ہیں۔ لیکن جب کفار سے مقابلہ ہوگا تو آہنی چٹان ثابت ہوں گے۔ وہاں محسوس ہوگا کہ یہ تو بڑے سخت ہیں' کوئی لالچ (temptation) ان کو ہلا نہیں سکتی' کوئی ایذا رسانی (persecution) انہیں ہراساں نہیں کر سکتی' کوئی ''نصیحت'' ان کے اوپر کارگر نہیں ہوتی۔ اس سے مراد اس طرح کی نصیحت ہے کہ خواہ مخواہ تم اپنا کیریئر کیوں برباد کر رہے ہو' اپنی زندگی کی فکر کرو' یہ تم کس راستے پر چل نکلے ہو۔ اس طرح کی بڑی بزرگانہ اور بڑی خیر خواہانہ انداز کی نصیحت بھی اثر انداز نہیں ہو رہی۔ دھمکی بھی اثر نہیں کر رہی۔

اسی وصف کو حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریین کو ہدایات دیتے ہوئے بڑے خوبصورت انداز میں یوں ادا کیا ہے کہ ''سانپ کی مانند ہوشیار لیکن فاختہ کی مانند بے ضرر بنو''۔ یعنی متضاد اوصاف کو بیک وقت جمع کرنا۔ سانپ بہت چوکس' چوکنا اور ہوشیار ہوتا ہے' لیکن وہ دوسرے کو ضرر بھی پہنچاتا ہے' اور فاختہ بے چاری بے ضرر ہے' لیکن ساتھ ہی بہت کمزور بھی ہے' اسے جو چاہے مار لے۔ تو یہ نہ ہو' فاختہ بھی نہ بنو اور سانپ بھی نہ بنو' لیکن سانپ کا ایک وصف تمہیں اپنے اندر لانا ہوگا یعنی ہوشیار' چوکس'

چوکنے رہنا ہو گا۔ کوئی تمہاری غفلت سے فائدہ نہ اٹھا جائے' کوئی تمہیں بھولا سمجھ کر تمہارے اس بھول پن کو exploit نہ کر جائے۔ لیکن تم سے کسی کو ضرر بھی نہ پہنچے۔ اس اعتبار سے تمہیں فاختہ کا وصف اپنانا ہو گا۔ اب یہ اپنی اضداد کے اعتبار سے بہت ہی بلیغ پیرایہ ہے۔ یہاں پر میں نے اس کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ تو ایک طرف نرمی ہے' جیسا کہ ہر وقت' ہر سانچے میں ڈھلنے کے لئے تیار' لیکن کس کے لئے؟ اہل ایمان کے لئے' اپنے ساتھیوں کے حق میں' اہل ایمان کے حق میں بہت نرم' لیکن مد مقابل یہ محسوس کرے کہ ان کے اندر تو انگلی دھنسانے کا بھی امکان نہیں ہے' کسی بھی درجے میں ان کو متاثر کر لینے کا کوئی امکان نہیں ہے' یہ تو چٹان کی طرح کھڑے ہوئے ہیں۔

تیسرا وصف وہ ہے جس کا سورۃ الصف کے حوالے سے گزشتہ نشست میں ذکر کیا گیا تھا اور ہمارے اس منتخب نصاب میں وہ کما حقہٗ بیان ہو جاتا ہے' یعنی جہاد' اور جہاد میں جان و مال دونوں کا کھپانا۔ فرمایا: ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ ''وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے''۔ اب دیکھئے' قرآن مجید کا ایک اسلوب ہے' میں نے بھی کسی درجے میں اس اسلوب کو قرآن سے مستعار لیا ہے۔ چنانچہ میری تحریروں میں آپ کو یہ اسلوب ملے گا کہ اگر کچھ باتیں جوڑوں کی صورت میں آ رہی ہیں تو پھر جوڑوں ہی کی شکل میں بات آگے بڑھتی ہے۔ اس آیت میں ''يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ'' بھی ایک جوڑا ہے اور '' اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ '' بھی جوڑے ہی کی شکل ہے۔ لہٰذا اب جہاد کے ساتھ بھی ایک جوڑا لے آیا گیا: ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ ''وہ (ایسے لوگ ہوں گے کہ) اللہ کے راستے میں (اپنے جان و مال کے ساتھ) جہاد کریں گے اور (اللہ کے معاملے میں) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے''۔

اب یہ ملامت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ملامت وہ ہوتی ہے جو ڈانٹ' ڈپٹ' شرم دلانے' غلطی پر متنبہ کرنے اور احمق قرار دینے پر مشتمل ہوتی ہے۔ یعنی یہ

انداز کہ غلط جا رہے ہو' یہ صحیح راستہ نہیں ہے جو تم نے اختیار کیا ہے' تمہاری مت ماری گئی ہے' جبکہ ایک ملامت ناصحانہ ہوتی ہے کہ دیکھو کچھ فکر کرو' بال بچوں کا خیال کرو' کچھ اپنے مستقبل' اپنے کیریئر کا دھیان کرو' تمہارے والدین نے تمہیں کن ارمانوں کے ساتھ پالا پوسا' تم ان کے دل توڑ رہے ہو' آخر انہوں نے اپنا پیٹ کاٹ کر تم کو پڑھایا' اپنے اوپر سختیاں جھیلیں اور تمہاری ضرورتیں پوری کیں' اب تم ان کے ارمانوں کا خون تو نہ کرو۔ یہ ہے ایک ناصحانہ انداز۔ سورۃ العنکبوت کی آیت ۱۲ میں اسی ناصحانہ انداز کی طرف اشارہ ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ﴾ ''یہ کافر لوگ ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریقے کی پیروی کرو اور تمہاری خطاؤں کو ہم اپنے اوپر لے لیں گے''۔ تو یہ دو طرح کی ملامت ہے جس سے اس راہ پر چلنے والوں کو سابقہ پیش آئے گا۔ بلکہ یہ ناصحانہ' مشفقانہ اور خیر خواہانہ ملامت زیادہ خوفناک ہوتی ہے۔ بسا اوقات انسان ڈانٹ ڈپٹ کے مقابلے میں تو اور سخت ہوتا چلا جاتا ہے' لیکن میٹھی چھری کے انداز میں جو کاٹ ہے اس سے بچنا زیادہ مشکل ہے۔ فیض کی شاعری چونکہ انقلابی رنگ لئے ہوئے ہے لٰہذا یہ چیز آپ کو وہاں بھی ملے گی ؎

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوکِ دشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت
اِس عشق نہ اُس عشق پہ نادم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل میں بجز داغِ ندامت!

تو غیروں کی طرف سے ناوکِ دشنام تو آئیں گے ہی' گالیاں آئیں گی' الزامات آئیں گے' مگر اپنوں کی طرف سے بھی ہر طرح کی ملامت برداشت کرنا پڑے گی۔ اب آپ اندازہ کیجئے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے کسی دوست نے حالت درویشی میں دیکھا ہوگا تو اُن نے کہا ہوگا کہ تم نے اپنے اوپر کیا ظلم کیا ہے' تمہارا دو دو سو درہم کا جوڑا اسل کر آتا تھا' تمہارا پورا لباس معطر ہوتا تھا' تم خوش لباسی اور خوش ذوقی کی ایک

علامت بن گئے تھے' جدھر سے تم گزرتے تھے وہ گلیاں معطر ہو جاتی تھیں' لوگوں کی نگاہیں اٹھتی تھیں اور اب تم اس پھٹے پرانے کمبل کے اندر ملبوس ہو جس میں پیوند لگے ہوئے ہیں! حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انتقال اس حالت میں ہوا تھا کہ ان کے جسم پر چادریں بھی دو نہیں تھیں' صرف ایک چادر تھی۔ اس تہہ بند کے ساتھ وہ اللہ کا بندہ لڑ رہا تھا' اور وہ تہہ بند بھی اتنا تھا کہ جب شہادت ہوگئی تو پورے جسم کو ڈھانپ نہیں سکا' سر کو ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کو ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ سر کو چادر سے ڈھانپ دو اور پیروں پر گھاس ڈال دو۔ تو وہ کہاں سے کہاں پہنچے! از کجا تا بہ کجا! اور یہ سب کچھ ایک دن میں تو نہیں ہو گیا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ کم و بیش دس گیارہ برس لگے۔ مکہ میں قبولِ اسلام کے بعد جب انہیں مادر زاد برہنہ کر کے گھر سے نکالا گیا تو اس وقت ان کے دوستوں کا جو حلقہ ہوگا' انہوں نے کس انداز میں ملامت کی ہوگی۔ چچا نے یہ کہتے ہوئے گھر سے نکال دیا کہ تم نے اپنے باپ کا دین چھوڑ دیا ہے تو اس کی جائیداد اور اس کی چھوڑی ہوئی دولت پر بھی تمہارا کوئی حق نہیں۔ گھر سے نکلنے لگے تو چچا نے کہا کہ یہ لباس بھی اسی باپ کی کمائی کا ہے جو تم نے پہنا ہوا ہے' تم نے تو آج تک پھوٹی کوڑی نہیں کمائی' یہ تو باپ کی چھوڑی ہوئی دولت ہے جس پر تم آج تک گلچھرے اڑاتے رہے ہو۔ اس نے بدن کے کپڑے بھی اتروا کر مادر زاد برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا۔

رہی ناصحانہ اور خیر خواہانہ اندازِ ملامت تو یہ زیادہ خطرناک ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ پر ایک دورِ ابتلاء تو وہ تھا کہ ان کو ماریں پڑ رہی تھیں' ایسی مار کہ اگر ہاتھی کو ماری جائے تو وہ بلبلا اٹھے' مگر اس پر کبھی کوئی آنسو آپؒ کی آنکھ میں نہیں آیا۔ جب دربارِ خلافت کی صورت حال بدلی' وہ فتنے والا دَور ختم ہو گیا' تختِ خلافت پر متمکن ہونے والے نئے خلیفہ نے اشرفیوں کا ایک توڑا بھیجا تو اس کو دیکھ کر رو پڑے اور کہا کہ اے اللہ! میں اس آزمائش کے قابل نہیں ہوں۔ یہ آزمائش زیادہ بھاری ہے ان کوڑوں سے جو میری پیٹھ پر پڑ رہے تھے۔ تو یہ ہے وہ وصفِ مطلوب ﴿لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ کہ

وہ کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔

یہ ان لوگوں کے مطلوبہ اوصاف کی تین dimensions ہیں' جو دراصل ہمارے لئے تین کسوٹیاں ہیں۔ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے مطلوبہ اوصاف کے حوالے سے یہ وہ آئیڈیل ہے جو ہمیں پیش نظر رکھنا ہے۔ اگر ہم اس معیار پر اپنے آپ کو پورا نہیں پا رہے ہیں تو اپنی کوتاہی کا احساس رہے' اس کا اعتراف ہو اور اس کا اقرار رہے' لیکن آئیڈیل کو مسخ نہ کیا جائے۔ اگر ہم اس آئیڈیل کو بدل دیں گے تو پھر اصلاح کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ تو ان مقامات کو اس اعتبار سے مستحضر رکھنا ضروری ہے کہ یہ اس راہ کے مسافروں کے لئے زادِ راہ ہے' یہ اس جدوجہد کے لئے کمر ہمت کسنے والوں کے لئے لازمی اوصاف ہیں۔

محبت الٰہی ــــــ اللہ کا خصوصی فضل

آگے فرمایا: ﴿ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے' وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے''۔ لفظ ''فضل'' کے مفہوم اور قرآن مجید میں اس کے استعمالات پر ہم گزشتہ درس میں گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں ''فضل'' کا استعمال ایک نئی شان سے ہوا ہے۔ اس کا تعلق ''یُحِبُّھُمۡ'' سے جڑتا ہے' یعنی اللہ کا یہ فضل ہوا تو انسان اس راستے کی طرف آیا۔ پھر یہ کہ ان اوصاف میں جتنی جتنی بھی ارزانی ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے ہی سے ہوئی۔ یہ اللہ کا فضل ہے' جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ اُسی نے چنا اگر کسی کو چنا' اُسی نے ذوق عطا فرمایا اگر عطا فرمایا' اُسی نے شوق عطا فرمایا اگر شوق ملا' اُسی نے جذبہ عطا کیا اگر کسی کو جذبہ ملا۔ کوئی اور source تو ہے ہی نہیں۔ تو یہ چیزیں اللہ کے فضل میں سے ہیں۔ ﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے' اس کی دین ہے' اس کی عطا ہے۔ پھر اس کو نوٹ کیجئے کہ یہ اگر احساس رہے گا تو انسان میں کبھی تکبر پیدا نہیں ہوگا۔ پہلی بات تو یہ کہ اس میں ایک سرور ہے' اس میں کیف ہے کہ میرے ربّ نے مجھے چنا ہے' میرے ربّ نے مجھے پسند فرمایا ہے۔ قرعۂ فال میرے نام نکلا ہے۔ تو اس میں عنایت خداوندی کا اپنی ذات

پر جو ایک خاص احساس ہوتا ہے یہ انسان کے لئے قوت کا سب سے بڑا منبع اور سرچشمہ ہے۔ پھر یہی وہ چیز ہے کہ جو تکبر کا راستہ مسدود کرتی ہے۔ اگر اس کے برعکس صورت ہو کہ میں نے یہ کیا' میرے اندر یہ صلاحیت پیدا ہوئی' تو جان لیجئے کہ یہی ''مَیں'' ہے جو اصل میں کبر اور تکبر کی شکل اختیار کرتی ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان کے وار سب پر ایک طرح کے نہیں ہوتے۔ جو لوگ اس وادی میں آ گئے ہوں اور وہ کچھ منزلیں طے بھی کر بیٹھے ہوں' کچھ امتحانات پاس بھی کر چکے ہوں' کچھ آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ نکل بھی آئے ہوں' اب ان پر شیطان کا کوئی اور وار کارگر نہیں ہوگا' ان کے لئے شیطان کے پاس بہت بڑا ہتھیار تکبر کا ہے۔ اور وہ کس قدر مہلک ہتھیار ہے؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ)) (ترمذی) ''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہے''۔ حقیقت کے اعتبار سے تکبر شرک کی بدترین صورت بنتی ہے۔ یہ شرکِ معنوی ہے' شرکِ خفی ہے۔ شرکِ خفی اور شرکِ جلی پر میں بہت بحثیں کر چکا ہوں کہ اس میں فرق صرف یہ ہے کہ شرکِ جلی وہ ہے جو نظر آتا ہے' جس پر کسی مفتی کا فتویٰ لگ جائے گا اور شرکِ خفی وہ ہے جو نظر نہیں آتا' وہ مفتی کے فتوے کی زد میں نہیں آئے گا' لیکن شرک ہونے کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ شرکِ جلی بڑا شرک ہے اور شرکِ خفی چھوٹا شرک ہے۔ بڑے اور چھوٹے شرک کی نسبت اگر آپ نے جلی اور خفی کے حوالے سے کی ہے تو یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ تو یہ تکبر درحقیقت بہت بڑا شرک ہے' اس لئے کہ اس کے لئے حدیث قدسی میں الفاظ یہ آئے ہیں: ((اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ)) (ابوداؤد و ابن ماجہ) ''تکبر تو میری چادر ہے''۔ گویا جو کوئی تکبر کرتا ہے وہ میرے کاندھے سے میری چادر گھسیٹ رہا ہے۔ اور عرب میں یہ کسی کی سب سے بڑی توہین تھی۔ عربوں کے لباس میں ان کی شخصیت اور وجاہت کا انڈکس ان کی چادر ہوتی تھی۔ وہ چادر جو خواتین اوڑھتی تھیں جلباب کہلاتی تھی' جس کا ذکر سورۃ الاحزاب میں آیا ہے۔ وہ اپنے پورے جسم کو اس چادر

کے اندر لپیٹ کر نکلتی تھیں۔ اسلام نے اس میں صرف یہ اضافہ کیا کہ اس چادر کا ایک حصّہ چہرے پر لٹکا لیا جائے' ورنہ پہلے سے وہ چادر اُن کے لباس کا جزوِ لازم تھی۔ اسی طرح مَردوں کے لباس میں بھی چادر کو خصوصی اہمیت حاصل تھی' جیسے آج کل پٹھانوں کے لباس میں چادر جزوِ لازم ہے' جو ان کے کندھے پر ہوتی ہے' اور وہ بڑی کثیر المقاصد (multi-purpose) چادر ہوتی ہے۔ بوقت ضرورت وہ مصلیٰ بنتی ہے' وہی سونے کے کام آتی ہے۔ وہ رفع حاجت کے لئے بیٹھتے ہیں تو اپنی اس چادر کو اپنے گرد بالکل ایک خیمے کی طرح تان لیتے ہیں۔ تو یہ بڑی ''ملٹی پرپز'' چادر ہے۔(1) عرب میں بھی چادر لباس کا جزو لازم تھا اور ہر شخص اپنے جاہ و مرتبہ اور مالی حیثیت کے لحاظ سے چادر اپنے کندھے پر رکھتا۔ گویا اس چادر سے انسان کا رتبہ معین ہوتا تھا۔ اب کسی کی چادر اس کے کندھے سے گھسیٹ لینے کا مطلب اسے بے عزت کر دینا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کبر میری چادر ہے''۔ یہ جامہ صرف مجھ کو راست آتا ہے۔ اگر کوئی متکبر ہے تو گویا اس نے میرے کاندھے سے میری چادر گھسیٹی ہے' اس سے میرا اعلانِ جنگ ہے۔

یہ تکبر اس راہ کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ یہ پندار کہ میں نے اس راہ میں یہ کچھ کھپا دیا' میں نے تو بہت دولت صرف کر دی' اپنی جوانی کھپا دی' اپنی توانائیاں لگا دیں' یہ چیز تکبر کی بدترین بنیاد بن جائے گی۔ اس کے برعکس یہ خیال ہو کہ یہ سب کچھ اس کی دین ہے' اس نے عطا کیا ہے' اس نے توفیق دی ہے' اس نے تیسیر فرمائی ہے' اس نے ایسے مواقع پیدا فرما دیئے' وہ مواقع اگر نہ ملتے تو نہ معلوم ہم کہاں بھٹک رہے ہوتے! کس نالی میں گرے ہوتے! آخر شراب پی کر نالیوں میں گرے ہوئے لوگ بھی تو ملتے ہیں' وہ بھی انسان ہیں' پتہ نہیں کس وقت اس کا پاؤں پھسل گیا اور ایک مرتبہ کی لغزش اسے کہاں سے کہاں لے گئی۔ ہماری نہ معلوم کتنی لغزشیں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہے' کتنی خطائیں ہیں جن سے درگزر فرمایا ہے۔ اب یہ احساس اگر ہو کہ یہ اللہ کا

(1) افغانستان میں روس کے خلاف جہاد میں افغان مجاہدین اپنی چادر کے ذریعے روسی ٹینکوں کا شکار بھی کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنی چادر کو گیلا کر کے چلتے ہوئے ٹینک پر ایک خاص انداز سے پھینکتے تو یہ ٹینک کے chain میں پھنس جاتی اور ٹینک رک جاتا اور مجاہدین اس پر قبضہ کر لیتے۔ (اضافہ از مرتب)

فضل ہے‘اس میں میرا کوئی ذاتی استحقاق نہیں تھا‘ کوئی میرا کلیم نہیں تھا‘ جو کچھ ملا ہے صرف اس کی عطا‘ اس کا فضل اور اس کی دین ہے‘ تو انسان تکبر سے بچ جائے گا۔ ﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ﴾ ’’یہ اللہ کا فضل ہے‘ وہ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے‘‘۔

دو صفاتِ الٰہیہ کے حوالے سے حسد کا سدباب

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴾ ’’اور اللہ بہت وسعت والا‘ جاننے والا ہے‘‘۔ اس آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی یہ جو دو صفات آئی ہیں اس مضمون کے ساتھ ان کی نسبت اور تعلق تلاش کیجئے! آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس میں حسد کی جڑ کٹتی ہے۔ اگر اللہ نے کسی کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے تو جلتے کیوں ہو؟ اللہ کے فضل کا خزانہ محدود تو نہیں ہے‘ تم اس سے مانگو‘ وہ تمہیں دے گا۔ اس راستے میں آ کر بربادی کا جو اصل سبب بنتا ہے وہ اولاً تکبر اور ثانیاً حسد ہے۔ حدیث نبویؐ کے مطابق حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جیسے آگ ایندھن کو جلا دیتی ہے۔ حسد اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے اسے یہ شے کیوں دے دی؟ حسد مال و دولت پر بھی ہوتا ہے اور اس بات پر بھی کہ فلاں کو یہ رتبہ کیوں مل گیا۔ لیکن جب یہ خیال ہو کہ یہ اللہ کا فضل ہے جو اس پر ہوا ہے‘ اللہ نے اسے چن لیا ہے‘ یہ اس کی دین ہے‘ تو پھر حسد پیدا نہیں ہوگا۔ جب ہمیں اللہ سے محبت ہے تو راضی برضائے ربّ رہنا ہوگا۔ یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر بھی آخر کار کھل گئی تھی‘ اگرچہ بہت دیر میں کھلی تھی۔ شروع میں حسد تھا کہ یہ یوسف اور اس کا بھائی بنیامین ہمارے والد صاحب کو بہت زیادہ محبوب ہیں‘ حالانکہ ہم عُصبہ ہیں‘ ہم دس جوان ہیں‘ ہم دست و بازو ہیں‘ کوئی مقابلہ پیش آئے گا تو لاٹھیاں لے کر مقابلے میں ہم آئیں گے‘ مگر یہ چھوٹے چھوٹے دو بچے جو ہیں ان پر زیادہ عنایت ہے‘ زیادہ شفقت ہے۔ لیکن جب وہ مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آخری مرتبہ خستہ حالی کی کیفیت میں پہنچے اور جب وہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ یوسف ہیں تو وہ پکار اٹھے: ﴿تَاللّٰہِ لَقَدۡ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیۡنَا ﴾ ’’اللہ کی قسم (آج ہم تسلیم کر رہے ہیں کہ) اللہ نے آپ کو ہم پر ترجیح دی ہے‘‘۔ ہماری نسبت آپ کو پسند فرما لیا ہے۔

اس حقیقت کا اگر پہلے روز سے ادراک ہو جائے کہ یہ اللہ کا چوائس ہے' اللہ کی پسند ہے' اللہ نے جس کو جو چاہا دے دیا' تو پھر حسد نہیں ہوگا۔ یہ اس کا اختیار خصوصی ہے' جس طرح چاہے استعمال کرے۔ اور یہ بھی سوچیں کہ آخر اس کا خزانہ خالی تو نہیں ہو گیا! تم بھی اس سے مانگو۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں نے آپ کو سنائے تھے کہ دستک دو' کھولا جائے گا' مانگو' دیا جائے گا...... تم میں سے کون ایسا ہے کہ اس کا بیٹا اس سے مچھلی مانگے اور وہ اسے سانپ پکڑا دے! تم اپنی اولاد کے ساتھ اگر یہ نہیں کرتے تو کیا وہ تمہارا آسمانی باپ اگر تم اس سے مانگو گے تو کیا تمہیں نہیں دے گا؟ مانگ لو اس سے' اس کا خزانہ تو اتھاہ ہے۔ اس سے تم مانگو' وہ تمہیں دے گا۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کو ایک پہلو سے نواز دے' کسی دوسرے کو کسی دوسرے پہلو سے نواز دے۔ وہاں تو قسم قسم کی نعمتیں ہیں' انواع واقسام کے رنگا رنگ ہیرے اور موتی ہیں' وہ واسع ہے' بڑی وسعت والا ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

''علیم'' میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ جس کو جو کچھ دیتا ہے اپنے علم کی بنیاد پر دیتا ہے کہ کون کس شے کا اہل ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں بھی آیا ہے کہ اپنے بچوں کے حصے کی روٹی کتوں کے آگے مت ڈالو۔ کون کس شے کا اہل ہے' دیکھ کر دو۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ جس کو جو کچھ دیتا ہے الل ٹپ نہیں دیتا۔ بسا اوقات کسی کو دولت سے محروم کرنا اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ ایک شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں ہے کہ یہ ضعیف ہے' اپنی خواہشات پر قابو نہیں رکھ سکتا' دولت کی فراوانی ہوگی تو عیاشیوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ اگر اس وجہ سے اللہ نے ہاتھ روکا ہوا ہے تو اللہ اس کے لئے خیر کر رہا ہے' شر تو نہیں کر رہا ہے۔ اس سے اس دولت کا روک لینا اور رزق میں تنگی کر دینا اس کے لئے خیر ہے' شر نہیں ہے۔ تو وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے علم کامل کی بنیاد پر کرتا ہے کہ کسے کیا دینا ہے اور کیا نہیں دینا' کون کس چیز کا اہل ہے اور کس چیز کا اہل نہیں ہے۔ تو وہ واسع بھی ہے اور علیم بھی ہے۔ جو مانگنا ہے اس سے مانگو۔ البتہ اس پر راضی بھی رہو کہ جو اُس نے ہمیں دیا ہے یقیناً یہی ہمارے لئے خیر ہے۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم' ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○

ثانی اثنین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حافظ مہر محمد خطیب، گوجرانوالہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ، عتیق لقب، ابوبکر کنیت اور ''صدیق'' رسول اللہ ﷺ کا بخشا ہوا خطاب تھا۔ والد کا نام عثمان ابوقحافہ تھا۔ نسباً قریش کے قبیلہ بنو تیم سے تھے۔ مُرۃ بن کعب میں رسول اللہ ﷺ سے نسب مل جاتا ہے۔ شجرۂ نسب یہ ہے:

خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیقؓ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی۔

لقب عتیق کی وجہ خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ آپؓ دوزخ کی آگ سے آزاد ہیں۔ (ترمذی)

ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ آپؓ حسین وجمیل تھے۔ عتیق آزاد اور شریف کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپؓ کے نسب میں کسی قسم کا عیب نہ تھا، بہت شریف اور معزز تھے، کوئی معاشرتی اور اخلاقی عیب آپ میں نہ تھا اس لئے عتیق کے لقب سے آپ دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام دونوں میں مشہور رہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء، ص ۲۸ پر لکھا ہے:

''آپؓ کے 'صدیق' ہونے پر تمام اُمت کا اتفاق ہے، کیونکہ:

۱) رسولِ خدا کی تصدیق میں سب سے پہل کی۔

۲) صدق اور سچائی سے ایسے وابستہ ہوئے کہ کبھی کسی قسم کی کمزوری نہ دکھائی اور نہ کسی اچھے کام اور حال میں توقف کی نوبت آئی۔

۳) اسلام میں آپؓ کی عظیم اور شاندار خدمات ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ کے سفر معراج کی تصدیق کی اور ثابت قدمی کے ساتھ کفار کے

اعتراضات کے جوابات دیئے۔ ہجرت مع الرسول کا شرفِ خاص پایا اور بال بچوں کو تنہا گھر میں چھوڑ کر اللہ کے سپرد کیا۔ سب مال و دولت ساتھ لے لیا۔ غار اور سفر ہجرت میں رسول اللہ ﷺ کے مونس اور یارِ خاص بنے۔ جنگ بدر میں آپؐ کے محافظ خاص رہے اور آپؐ کے اضطراب پر ایسی تسلی دی کہ اللہ نے فتح کی بشارت نازل فرمادی۔ صلح حدیبیہ میں مستقل مزاج رہے۔

فراستِ ایمانی اور سخن فہمی میں گہرائی اس قدر تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایک بندے کا ذکر فرمایا کہ ''اسے خدا نے دنیا اور آخرت میں سے ایک مقام پسند کرنے کا اختیار دیا ہے اور اُس نے آخرت کو پسند کیا'' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے کہ اس سے آپ ﷺ کی ذاتِ مبارک مراد تھی اور رحلت کی پیشین گوئی تھی۔ وفاتِ رسول ﷺ پر عظیم الشان خطبہ دیا اور لوگوں کے غلط خیال کو دُور کیا اور صدمۂ عظیمہ پر تسلی دی۔ محض مسلمانوں کی بھلائی کے لئے خلافت کا بارِ گراں اٹھایا اور تمام لوگوں نے بالاتفاق آپؓ کی بیعت کی' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو اپنے مصلیٰ کا جانشین اور امامِ نماز بنایا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ ''لوگو! میرے بعد ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی پیروی کرنا''۔ (ترمذی' ج ۲' ص ۲۳۴) ''اور مسئلے ابوبکرؓ سے پوچھنا''۔ (بخاری)

لشکر اُسامہ کو تیار کر کے شام کی طرف بھیجا۔ مرتدین' منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب وغیرہ جھوٹے دعوے دارانِ نبوت سے کامیاب جہاد کیا۔ شام و عراق میں فتوحات کا دروازہ کھولا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی اہم شخصیت کو خلیفہ بنا کر ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو واصل بحق ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پہلوئے جنت میں ہمیشہ کے لئے آرام فرما ہو گئے۔ **صلی اللّٰہ علیٰ رسولہ ورفیقہ فی الدنیا والآخرۃ وفی الغار والقبر والحشر والجنۃ۔**

حضرت ابوبکرؓ صدیق اکبر ہیں

ثبوت قرآنی:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الزمر:۳۳)

''جو (پیغمبر) سچ لے کر آیا اور جس نے اُس کی تصدیق کی' یہی پرہیز گار لوگ ہیں''۔

اس کی تفسیر میں مفسرین نے عموم کے علاوہ خصوصی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مراد ہونے کا نقل فرمایا ہے۔

۱) تفسیر ابن جریر طبری' المتوفی ۳۰۱ھ' ج ۹' ص ۳ پر ہے:

عن اُسید بن صفوان عن علی رضی اللّٰه عنه فی قوله ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ قال محمد ﷺ ﴿وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ قال ابوبکر رضی اللّٰه عنه

''اسید بن صفوان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ آپؓ نے ''وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ'' کی تفسیر میں فرمایا: ''سچائی لانے والے سے مراد حضرت رسول اللہ ﷺ ہیں اور تصدیق کرنے والے سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں''۔

۲) تفسیر درمنثور' ج ۵' ص ۳۲۸ پر ہے:

اخرج ابن جریر والباوردی فی معرفة الصحابة وابن عساکر من طریق اسید بن صفوان وله صحبته عن علی بن ابی طالب قالَ الَّذِیْ جَآءَ بِالْحَقِّ محمد ﷺ وصدق به ابوبکر رضی اللّٰه عنه

''ابن جریر اور باوردی نے معرفۃ الصحابۃ میں اور ابن عساکر نے اسید بن صفوان صحابی کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپؓ نے فرمایا: ''حق لانے والے سے مراد محمد (ﷺ) ہیں اور تصدیق کرنے والے سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں''۔

۳) تفسیر خازن' ج ۴' ص ۵۶ پر ہے:

وقیل الذی جَآءَ بِالصِّدْقِ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وصدق به

ابوبکر الصدیق رضی اللّٰہ عنه
''یہ تفسیر کی گئی ہے کہ سچ لانے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں اور صَدَّقَ بِہٖ سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں''۔
۴) تفسیر مدارک التنزیل از علامہ ابوالبرکات النسفی میں ہے:
وقال الزجاج روی عن علی رضی اللّٰہ عنه انه قال وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والذی صدَّق به ابوبکر الصدیق رضی اللّٰہ عنه
''زجاج کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: سچ لانے والے سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور تصدیق کرنے والے سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں''۔
۵) تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۵۲۱: ﴿وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی﴾ کی تفسیر میں ہے:
''بہت سے مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری ہے، حتیٰ کہ بعض نے مفسرین کا اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ آپؓ اس میں داخل ہیں اور اُمت کے بہترین فرد ہیں، مگر لفظ عام ہیں اور عموم چاہئے، تاہم (ابوبکر صدیقؓ) ان تمام اوصاف مذکورہ اور بقیہ اوصافِ حمیدہ میں اُمت میں سب سے مقدم اور پہلے ہیں، کیونکہ آپؓ صدیق، پرہیزگار، سخی، فیاض، اپنے مالوں کو اپنے مولیٰ کی فرماں برداری اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت میں خوب خرچ کرنے والے تھے''۔

شیعہ تفسیروں سے ثبوت

۱) تفسیر مجمع البیان، طبرسی، ج ۴، ص ۴۹۸ پر ہے:
وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ قیل الذی جَآءَ بِالصِّدْقِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وصَدَّقَ به ابوبکر عن ابی العالیة والکلبی
''ابوالعالیہ اور کلبی وغیرہ نے ﴿جَآءَ بِالصِّدْقِ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے کہ: سچائی لانے والے سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور تصدیق کنندہ سے مراد حضرت ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرے اقوال میں تصدیق کنندہ سے مراد حضور ﷺ کی ذات' اہلِ ایمان' اہلِ قرآن بھی مذکور ہیں۔ یہ عموم اس خصوص کے مخالف نہیں کہ ابوبکرؓ مراد ہوں' کیونکہ آپؓ سب سے پہلے تصدیق کنندہ' صاحب ایمان اور متبع قرآن بھی ہیں۔

سنی تفسیروں میں تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہونے کا قول نہیں ملا' البتہ شیعہ تفاسیر میں سے تفسیر قمی اور طبرسی کے ایک قول میں حضرت علیؓ کی ذات مراد ہے۔ اہل سنت کے نزدیک اگرچہ عموم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں مگر شیعہ کا عقیدۂ عصمت اس عموم وخصوص کی نفی کر دیتا ہے۔ کیونکہ آگے ہے:

﴿لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَءَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الزمر:۳۵)

''تاکہ زمانۂ جاہلیت میں ان سے جو برائیاں ہوئیں وہ اللہ تعالیٰ (اس تصدیق کی وجہ سے) مٹادیں اور اُن کو اُن کے بہترین اعمال کا اجر دیں''۔

۲) تفسیر مجمع البیان' ج ۵: سورۃ الیل کی آیت ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى﴾ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات مراد ہے' کیونکہ آپؓ نے مسلمان غلاموں کو خرید کر آزاد کیا تھا' جیسے حضرت بلالؓ عامر بن فہیرہؓ وغیرہ۔

۳) تفسیر قمی' ج ۱' ص ۲۹۰ پر ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ...... الآية﴾ (التوبة:۴۰)

رفعه الى ابى عبد الله عليه السلام قال لما كان رسول الله فى الغار قال لفلان: ((كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰى سَفِيْنَةِ جَعْفَرَ فِیْ اَصْحَابِهٖ يَقُوْمُ فِى الْبَحْرِ وَاَنْظُرُ اِلَى الْاَنْصَارِ محتبين فى اَفْنِيَتِهِمْ)) فقال فلان: وتراهم يارسول الله؟ قال: ((نَعَمْ)) قال فارنيهم' فمسح على عينيه فرآهم (فقال فى نفسه الآن صدّقتُ انك ساحر) فقال له رسول الله: ((اَنْتَ الصِّدِّيْقُ)).

''امام جعفر صادق علیہ السلام سے مرفوع روایت ہے کہ جب رسول اللہ (ﷺ) غار میں تھے تو فلاں (ابوبکرؓ) سے کہا: ''میں گویا جعفر (ابن ابی طالب) کو اپنے

ساتھیوں سمیت کشتی میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ سمندر میں تیر رہی ہے اور میں انصار کو بھی دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے گھر کے صحنوں میں کمر اور گھٹنوں کو پٹکے سے باندھے بیٹھے ہوئے ہیں'' تو فلاں (ابوبکرؓ) کہنے لگے: یارسول اللہ! کیا آپ اُنہیں دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: ''جی ہاں''۔ اس نے کہا: ''مجھے بھی دکھائیں! رسول اللہ (ﷺ) نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا' چنانچہ انہوں نے ان کو دیکھ لیا۔ (شیعہ کا بناوٹی قول ہے کہ اس نے اپنے جی میں کہا: اب میں نے مانا کہ آپ جادوگر ہیں) تو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ''تم صدیق ہو''۔

امام جعفر صادق ؒ کی حدیث تو واضح ہے' مگر جلے بھنے شیعہ زاویوں کی کارستانی بھی دیکھئے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیتے' فلاں سے تعبیر کرتے ہیں اور خود بریکٹ میں جادوگری کے اتہام کا اضافہ کرتے ہیں۔

۴) شیعہ کی سب سے مستند کتاب نہج البلاغہ کی شرح ابن ہیثم طبرانی' ج۴' ص۳۶۲ پر ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے مکتوب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ لکھا:

وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمتَ وانصحھم للّٰہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید رحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا

''اسلام میں سب سے افضل اور خدا و رسولؐ کے سب سے زیادہ خیر خواہ خلیفۃ الرسول صدیق اور خلیفۃ الخلیفہ عمر فاروق ہیں' جیسے آپ کا بھی خیال ہے۔ مجھے اپنی جان کی قسم! اسلام میں ان کا مرتبہ یقیناً بڑا ہے اور ان کی وفات اسلام کا بڑا حادثہ اور شدید زخم ہے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان کو بہترین اعمال کا بدلہ دے''۔

۵) شیعہ کی معتبر کتاب کشف الغمۃ' ص۲۲۰' مطبوعہ ایران (بحوالہ آفتابِ ہدایت' ص۱۰۳) میں یہ روایت ہے:

سئل الامام جعفر علیہ السلام عن حلیۃ السیف ھل یجوز؟ قال: نعم' قد حلی ابوبکر الصدیق سیفہ' فقال الراوی: اتقول ھکذا؟ فوثب الامام عن مقام فقال: نعم الصدیق الصدیق الصدیق' فمن لم یقل لہ

الصدیق فلاصدق اللہ قولہ فی الدنیا و الآخرۃ.

''امام جعفر صادق سے تلوار کو سونے سے مرصع کرنے کے متعلق پوچھا گیا کیا یہ جائز ہے؟ فرمایا: ہاں، ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے اپنی تلوار کو اسی طرح مرصع کیا تھا۔ راوی کہنے لگا کہ آپ بھی ایسا کہتے ہیں؟ فرمایا: ہاں، ہاں وہ صدیق تھے صدیق تھے، صدیق تھے، جو اُن کو صدیق نہ کہے اللہ اس کی بات دنیا اور آخرت میں کبھی سچ نہ کرے''۔

شیعہ سنی کتبِ سیرت سے ثبوت

۲) شیعہ کی رجال میں قدیم معتبر کتاب رجال کشی، مطبوعہ بمبئی، ص ۲۰ پر حضرت **عمار** رضی اللہ عنہ کے حالات میں ہے:

''بریدہ اسلمیؓ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: ''جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے''۔ ابوبکر آئے تو حاضرین نے ان سے کہا: **یاابابکر انت الصدیق و انت ثانی اثنین اذھما فی الغار** (آپ صدیق ہیں اور غار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو میں سے دوسرے ساتھی ہیں) پوچھئے وہ تین کون ہیں؟ (ابوبکر نے نہ پوچھا) پھر عمر آئے، ان سے کہا گیا: **انت الفاروق الذی ینطق الملک علیٰ لسانک** (آپ فاروق ہیں، فرشتہ آپ کی زبان سے بولتا ہے) (عمر نے بھی نہ پوچھا) پھر علیؓ آ گئے، آپؓ سے کہا گیا: یا ابا الحسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے''۔ پوچھیں وہ تین کون ہیں؟ حضرت علیؓ نے کہا: میں پوچھوں گا، اگر میں ان میں ہوا تو اللہ کا شکر ادا کروں گا، اگر نہ ہوا تو بھی اللہ کا شکر ادا کروں گا (وہ تین حضرت ابوذرؓ، سلمان اور مقداد رضی اللہ عنہم تھے)

اس تفصیلی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق اور ثانی اثنین اور عمر رضی اللہ عنہ کا فاروق عہد نبوت ہی میں صحابہؓ کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُن کو اِن القابات سے پکارتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر منع نہ کرتے تو پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ اور بخشا ہوا لقب تھا۔ اور یہ القاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نہ تھے، اُن کو ابوالحسن کہہ کر بلایا جاتا تھا۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

۷) خصال صدوق کے مترجم' ۸۰ کتب کے مصنف مدرس گیلانی ایرانی لکھتے ہیں:
''ابوبکر بن ابی قحافہ' عبداللہ نام' کنیت ابوبکر' نام پدر ابو قحافہ عثمان بن عامر...... قریشی ہیں۔ صحابہ میں صدیق آپؓ کا لقب تھا۔ رسول اکرم ﷺ کے خسر ہیں' خلفاء راشدینِ اسلام کے پہلے خلیفہ ہیں۔ ۱۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ عبداللہ' عبدالرحمٰن' محمد تین بیٹے تھے۔ اسماء' ذات النطاقین اُم کلثوم' عائشہ زوجۂ پیغمبر (اُم المومنین) تین صاحبزادیاں تھیں۔ (اعلام خصال صدوق' ج ۲' ص ۲۹۰)

۸) سیرت کی قدیم ترین مستند کتاب سیرت ابن ہشام' ج ۲' ص ۴۰ پر ہے:
''کہ جب رسول اللہ ﷺ معراج سے واپس آئے' کفار نے انکار کیا اور ابوبکر سے جا کر کہا' اب بھی تم اپنے ساتھی کی بات مانو گے؟ فرمایا: کیوں نہیں! جب وہ آسمان کی خبریں روز بتاتے ہیں تو مانتا ہوں' آج وہ خود آسمانوں سے ہو آئے ہیں تو تعجب وانکار کی کیا بات ہے! انہوں نے بیت المقدس کے حالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ اللہ نے بیت المقدس کا نقشہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا۔ ابوبکر نے بیت المقدس پہلے دیکھا ہوا تھا۔ آپؐ ابوبکرؓ کو بیت المقدس کا حال (مشرکین کو تسلی دینے کے لئے) بتاتے جاتے اور ابوبکرؓ فرماتے جاتے: **صدقتَ اشهد انک رسول الله** (آپ نے سچ کہا' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں) جب سب حال سنا چکے: **قال رسول الله لابی بكر: ((وانت یا ابابكر الصدیق)) فیومئذ سماه الصدیق** "تب حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر کو کہا: ''آپ صدیق ہیں''۔ اس دن سے حضور ﷺ نے آپؓ کا نام صدیق رکھا''۔

۹) نزال بن سبرہ کہتے ہیں: ایک دن حضرت علیؓ خوشی کے خاص موڈ میں تھے۔ ہم نے کہا ہمیں رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ خاص طور پر ابوبکرؓ بن ابی قحافہ کے متعلق حال سنائیے! آپؓ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس کا نام اللہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے اور محمد ﷺ کی زبان سے صدیق رکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے جانشین تھے' آپؐ نے ان کو ہمارے دین کے لئے پسند کیا تو ہم نے دنیا (خلافت) کے لئے پسند کر لیا (خلعی ابن سمان فی الموافقۃ بحوالہ ریاض النضرۃ' ج ۱' ص ۶۸)

۱۰) امام محمد باقر نے فرمایا: ''جس شخص نے حضرت ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو برا بھلا کہا تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو''۔ (ریاض النضرۃ، ج ۱، ص ۵۹)

احادیثِ نبویہ، اہل سنت اور صدیق

۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اُحد پہاڑ پر چڑھے، حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ پہاڑ لرزنے لگا:

فضرب برجله فقال: ((اُثْبُتْ اُحُد فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَهِیْدَانِ)) (بخاری)

''آپؐ نے پاؤں مار کر اُحد سے فرمایا: ''ٹک جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں''۔

۲) مکّہ کے پہاڑ ثبیر پر تھے تو یہی واقعہ پیش آیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اُسْکُنْ ثبیر فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَهِیْدَانِ)) (ترمذی، نسائی، دارقطنی بحواله مشکوة، ص ٥٦٢)

''اے ثبیر ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید سوار ہیں''۔

۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حرا پہاڑی پر تھے، آپؐ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم تھے، چٹان حرکت میں آ گئی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''تھم جا!''۔

((فَمَا عَلَیْکَ اِلَّا نَبِیٌّ اَوْ صِدِّیْقٌ اَوْ شَهِیْدٌ)) (مسلم)

''تجھ پر نبی یا صدیق یا شہید ہی تو موجود ہیں''۔

۴) ایک مسلمان کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کچھ نزاع ہوا، بات حضور علیہ السلام تک پہنچی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میرے ساتھی کو چھوڑو گے یا نہیں؟ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تم سب کے لئے رسول بن کر آیا ہوں، تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے مجھے سچا کہا''۔ (مشکوٰۃ)

۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شب معراج کو حضور علیہ السلام نے حضرت جبریلؑ سے کہا: ''میری قوم (واقعۂ معراج پر) میری تصدیق نہ کرے گی''۔ ((قَالَ لِیْ

جِبْرَئِیْلُ یُصَدِّقُکَ اَبُوْبَکْرٍ وَھُوَ الصِّدِّیْقُ)) ۔ جبریل نے کہا: ''ابوبکرؓ آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ صدیق ہیں''۔

۶) جابر بن عبد اللہ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے بیت المقدس میرے سامنے کر دیا اور میں خانہ کعبہ کے پاس اسے اور اس کے اندر کی چیزیں دیکھتا تھا' میں نے جہنم اور اس کے باشندوں کو نیز جنت اور جنت کے مکینوں کو داخل ہونے سے پہلے دیکھا' جیسے اب آپ کو دیکھ رہا ہوں' میں نے اپنی قوم قریش کو بتلایا' سوائے ابوبکر صدیق کے باقی قریش نے جھٹلا دیا''۔ (ریاض النضرۃ' ج ۱' ص ۶۷)

۷) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ بدترین سلوک جو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا وہ یہ تھا کہ میں نے عقبہ بن ابی معیط کو دیکھا' وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس نماز کے دوران آیا' اپنی چادر حضور کے گلے میں ڈالی اور خوب گلا گھونٹا' ابوبکر صدیق کو پتہ چل گیا' آپؓ آ گئے اور اس (خبیث) کو آپ ؐ سے دفع کیا اور فرمایا:

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ جَآءَ کُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ

(بخاری' ج ۱' ص ۵۱۹۔ ۵۲۰)

''کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے' حالانکہ وہ تمہارے پاس کھلے کھلے دلائل لا چکا ہے''۔

یہی وہ عملی صدیقیت ہے جو قرآن کی شہادت کے مطابق مومن آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی۔ بعینہٖ یہی یا اس سے بھی زیادہ حضور ﷺ کے ساتھ صدیقیت ابوبکرؓ نے کر دکھائی کہ قتل کی کوشش کرنے والے غنڈے کو جان خطرے میں ڈال کر دھکیل دیا۔

۸) ایمانی تصدیق بھی کامل تھی کہ ہر بات حضور ﷺ سے سن کر تصدیق کرتے تھے۔ اور اگر اتفاقاً ساتھ نہ ہوتے تو ایسی بات کے موقع پر حضور علیہ السلام شیخین کی طرف سے خود تصدیق کر دیتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پکڑ لی' بھیڑیئے سے چرواہے نے چھڑا لی' بھیڑیا بول اٹھا: ایامِ

فتن اور درندوں کی بادشاہی کے دوران ان کو کون چھڑائے گا۔ لوگوں نے کہا: بھیڑیا باتیں کرتا ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

((آمَنْتُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ)) قال ابو سلمة : وماهما يومئذ في القوم (بخاری' ج ۱' ص ۵۲۱)

''میں اس (خرقِ عادت) پر ایمان لاتا ہوں اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) بھی ایمان لاتے ہیں''۔ ابوسلمہؓ کہتے ہیں: حالانکہ اس روز وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔

۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی میت کو خطاب کرتے ہوئے کہا: مجھے یقین ہے کہ اللہ آپ کو اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ (قبر میں) رکھے گا' کیونکہ میں نے بہت دفعہ حضور علیہ السلام سے سنا ہے' آپ فرمایا کرتے تھے:

((ذَهَبْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ)) (بخاری' ج ۱' ص ۵۲۰)

''میں اور ابوبکر و عمر چل دیئے' میں اور ابوبکر و عمر اندر داخل ہوگئے' میں اور ابوبکر و عمر باہر نکل آئے''۔

۱۰) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں تقریر کرنے کھڑے ہوگئے۔ وہ سب سے پہلے خطیب ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوگوں کو بلایا۔ مشرکین نے ابوبکر پر اور باقی مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور مسجد حرام کے اطراف میں خوب مار پٹائی کی۔ یہی وجہ ہے کہ بروایت ابن عساکر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابوبکر اسلام لائے تو اپنے اسلام کو علانیہ ظاہر کیا اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ (تاریخ الخلفاء' سیوطی' ص ۳۶)

حضرت ابوبکرؓ اوّل المسلمین ہیں

اس پر سب مؤرخین کا اتفاق ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں' پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ' جو

آٹھ یا دس سال کے بچے تھے' اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ اور اس امر پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ فائدہ اسلام کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہنچا۔

۱) سیرت ابن ہشام' ج ۱' ص ۲۶۷ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دعوت پر مسلمان ہونے والوں کا ذکر ہے' پھر حضرات عثمان' زبیر' عبدالرحمٰن بن عوف' طلحہ' ابوعبیدہ' سعد رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: ''میں نے ابوبکر کے سوا جس کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے فکر و تردد اور ہچکچاہٹ سے کام لیا' لیکن ابوبکر نے کوئی تردد نہ کیا''۔

۲) ترمذی' ج ۲' ص ۲۳۸ پر بعض اہل علم کا بیان ہے کہ مَردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام لائے' بچوں میں سب سے پہلے علیؓ اسلام لائے اور عورتوں میں سے خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں: سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۳) جامع ترمذی اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق نہیں' کیا پہلا مسلم نہیں' کیا اس خصوصیت کا مالک نہیں؟؟''

۴) بروایت ابن عساکر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مَردوں میں سب سے پہلے ابوبکر اسلام لائے''۔

۵) ابن ابی خثیمہ نے بسند صحیح حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔

۶) طبرانی نے معجم کبیر میں اور عبداللہ بن احمد نے زوائد زہد میں شعبی سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا تو انہوں نے ابوبکر صدیق کا نام لیا اور حضرت حسان کے یہ شعر پڑھے:

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة

فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا

خیــر البــریة اتــقــاهــا و اعــدلهــا
الا الــنبــی و اوفــاهــا بــمــا فــعــلا
والثــانــی التــالــی الــمــحمود مشهده
واوّل الــنــاس مــنهــم صــدّق الــرسلا

''جب تم اپنے نیک و معتبر غمناک بھائی کو یاد کرو تو اپنے بھائی ابوبکر کو ان کے کارناموں کی وجہ سے ضرور یاد کرو۔ وہ نبی ﷺ کے بعد تمام اُمت سے بہتر، متقی اور انصاف والے تھے اور انہوں نے سب سے بڑھ کر لوگوں کی پوری پوری اصلاح کی۔ وہ ثانی اثنین ہیں، حضور ﷺ کے بعد خلیفہ ہیں۔ تمام اچھے مقامات پر حاضر تھے۔ سب لوگوں سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے والے مسلمان ہیں''۔ (تاریخ الخلفاء، سیوطی، ص ۳۳)

صدیقیت کی نفی پر رافضی کے ۱۲ سوالوں کا جواب

سوال (۱) : رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو ''صدیق'' کہا، اُمت نے ''صدیق اکبر'' کیوں قرار دیا؟

ج : معراج کے موقع پر جب کفار نے تکذیب کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا: کیا تم اب بھی محمد (ﷺ) کو مانو گے؟ وہ تو کہتا ہے: ''آسمانوں سے پھر آیا ہوں'' تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کفار کو جھٹلاتے ہوئے حضور ﷺ کی یوں تصدیق کی کہ جب آپؐ آسمانوں کی خبریں بتاتے ہیں تو ہم سچ مانتے ہیں، اگر آج وہ خود آسمان سے ہو آئے ہیں تو اس میں انکار و تعجب کی کیا بات ہے؟ میں یقیناً مانتا ہوں کہ آپ ﷺ معراج کر کے آئے ہیں اور سچ فرماتے ہیں۔ تب آپؐ نے ان کو صدیق فرمایا۔ چونکہ تصدیق رسالت تو روزِ اوّل سے کر چکے تھے اور قرآن نے ان کو صدیق و متقی کہا تھا:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الزمر: ۳۳)

''اور جو (پیغمبر) سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ تو پرہیز گار ہیں''۔

اب واقعۂ معراج کی تصدیق برسرِ عام کفار کی تکذیب کر کے ایسے کی کہ کوئی صحابی آپؓ

کا ہمسر نہ ہوسکا تھا' نہ کافروں نے بطورِ طعن اس سے جا کر شکوہ کیا تھا۔ اس لئے آپؓ صدیق اکبر قرار پائے۔ جیسے کسی جنگ میں کوئی بہادر مبارزہ میں اوّل بلانے والے کو مارڈالے تو اسے بڑا بہادر کہا جائے گا۔

سوال (۲) : کیا اُمت کا ''صدیق اکبر'' کہنے پر اجماع ہونا رسول اللہ ﷺ کے مقابل باطل قرار نہیں پائے گا؟

ج : نہیں۔ مقابل کا معنی ضد اور مخالف ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں اُمت کا آپ کو صدیق کہنا اور ماننا صدیق اکبر کہنے اور ماننے کے بالمقابل ضد اور مخالف نہیں ہے' بلکہ اس کی تائید میں حقیقت واقعہ کا اظہار ہے کہ ایسا تصدیق کنندہ جب اور کوئی نہیں تو ابوبکر سب سے بڑے صدیق ہیں کہ آپ ﷺ نے اس وقت اور اس سے پہلے بھی کسی کو صراحتاً یہ لقب نہیں دیا تھا۔ جب کسی کا کوئی ثانی اور ہمسر نہ ہو تو اس وصف میں وہی اکبر (سب سے بڑا) سمجھا جائے گا۔ دو رکعت کے بجائے فجر کی تین رکعتیں پڑھنے سے معارضہ کرنا بے سود ہے' کیونکہ ہر عدد اپنے معنی میں مستقل المفہوم اور دوسرے کے مغائر ہے۔ دو کو تین اور تین کو دو کہنا یا سمجھنا باطل ہے' اسی لئے دو رکعت کی بجائے تین رکعت فجر پڑھنا باطل ہے۔ لیکن اصل وصف اور پھر دوسروں کے مقابل زائد وصف آپس میں مغائر اور منافی نہیں ہیں' جمع ہوسکتے ہیں' جیسے حاتم سخی ہے' حاتم سب سے بڑا سخی ہے' ان میں کوئی مغائرت نہیں' دونوں معاً ایک ممدوح کی صفتیں ہیں۔ اسی طرح صدیق اور صدیق اکبر دونوں معاً ابوبکر کی صفتیں ہیں۔ تو اُمت نے رسول اللہ ﷺ کی تائید کی ہے' مخالفت اور باطل پرستی نہیں کی ہے۔

سوال (۳) : کتب اہل سنت ارجح المطالب اور تذکرۃ خواص الامۃ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو صدیق اکبر کہا۔

ج : اگر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''صدیق اکبر'' کہا ہوتا تو ہم آپؓ کو ہی صدیق اکبر مانتے۔ آپؓ سے ہماری کوئی ضد اور دشمنی نہیں ہے جیسے شیعہ کو اصحابِ رسولؐ سے دشمنی ہے۔ جب ساری اُمت ابوبکر کو صدیق اکبر مان رہی ہے' اور

اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی (حیات القلوب' ج ۲' ص ۱۳۸ اور جلاء العیون' ص ۱۴ پر ہے کہ حضور ﷺ کی ملت و اُمت تمام اُمتوں سے بہتر ہے) تو معلوم ہوا کہ یہی برحق ہے کہ صدیق اکبر لقب حضرت ابوبکرؓ کا ہے' حضرت علیؓ کا نہیں ہے۔ رہیں یہ روایات تو اس کا جواب یہ ہے کہ ارجح المطالب ایک شیعہ نے بطور تقیہ سنت کا نقاب اوڑھ کر مذہب شیعہ کی تائید میں لکھی ہے اور شیعہ کا اصولی مسئلہ امامت زور وشور سے ثابت کیا ہے۔ اس لئے ان روایات سے ایسے مشکوک العقیدہ مؤلف کا استدلال اہل سنت پر حجت ہرگز نہیں ہے۔

تذکرۃ خواص الامۃ کٹر رافضی کی کتاب ہے جو سبط ابن جوزی کے نام سے خود کو حنفی سنی باور کراتا ہے' حالانکہ کتاب کے مندرجات سو فیصد شیعہ عقائد پر مشتمل ہیں۔ تفصیل کے لئے نشان المیزان ابن حجر' میزان الاعتدال ذہبی اور مولانا مہر محمد کی تحفہ امامیہ دیکھیں۔ جن کتابوں کا حوالہ ہے ان میں صحیح' ضعیف' موضوع و منکر ہر قسم کی روایتیں ہیں۔ جب تک روایت سند صحیح سے ثابت نہ ہو استدلال بے کار ہے۔

مسند دیلمی کے متعلق بستان المحدثین میں ہے کہ یحییٰ بن مندہ ان کے اوصاف میں کہتے ہیں: وہ نہایت شکیل' جوان' خلیق' مذہب سنت میں سخت' اعتزال سے دُور' کم گو اور دل کے دلیر تھے' مگر اتقان' معرفت اور علم میں کچھ قصور تھا' سقیم اور صحیح حدیث میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے' اس لئے ان کی اس کتاب میں کثرت سے موضوعات اور واہیات درج ہیں۔ (بستان المحدثین' ص ۱۶۲)

کتب موضوعات سے پتہ چلتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علیؓ کو صدیق اکبر قرار دیا گیا ہے وہ روایت محض جھوٹی ہے۔ دیکھئے: تنزیہہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ مصنفہ ابوالحسن علی بن محمد بن العراق الکنانی المتوفی ۹۶۳ھ۔

حضرت علیؓ کے متعلق موضوع روایات میں ابوذر غفاریؓ سے مروی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''تو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا' تو سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کرے گا' تو صدیق اکبر ہے' تو مؤمنوں کا یعسوب ہے' تو

فاروق ہے' حق و باطل میں فرق کرے گا''۔

اس میں عباد بن یعقوب راوی ہے۔ ابنِ حبان کہتے ہیں کہ وہ منکر (بلا اصل واہیات) روایتیں بیان کرتا ہے اور یہ غالی شیعہ تھا۔ اس میں محمد بن عبید اللہ رافع بھی ہے اور یہی آفت ہے۔ (تنزیہہ الشریعۃ' ص ۳۵۳)

ابن عباس والی حدیث بھی مذکورہ بالا قسم کی ہے۔ اس میں عبداللہ بن داہر بن یحییٰ رازی ہے (جو کذاب ہے) نیز یہ ابولیلیٰ غفار سے بھی مروی ہے جسے ابواحمد حاکم نے کنی میں روایت کیا ہے۔ اس میں اسحاق بن بشر اسدی کاہلی ہے جس کا شمار وضّاعین میں ہے (تنزیہہ الشریعۃ' ص ۳۵۳) جب یہ دونوں موضوع ٹھہریں تو پہلی جو سلمان فارسی سے ہے' وہ بھی موضوع ہے' کیونکہ اس کے پہلے لفظ ''تو پہلے ایمان لایا' تو صدیق اکبر ہے'' اس موضوع روایت کا حصّہ ہیں۔

سوال: جب فرمان رسول ﷺ سے ''صدیق اکبر'' علی ہوئے تو آپ اتباع فرمانِ رسول کی کریں گے یا اُمت کی؟

ج: جب یہ روایت فرمان رسول ﷺ ثابت ہی نہ ہوئی تو اب اہل سنت اس فرمانِ رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہیں جس میں آپؐ نے ابوبکرؓ کو صدیق فرمایا ہے۔ یہ جو جھوٹی حدیث آپ نے نقل کی ہے کہ ''میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسول کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں' میرے بعد سوائے جھوٹے کے کوئی یہ دعویٰ نہ کرے گا' میں نے لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی۔ (اخرجہ احمد فی المناقب والنسائی فی الخصائص والحاکم فی المستدرک...... الخ) اور ابن ماجہ میں بھی ہے' مگر اس کی سند پر کڑی جرح ہے کہ اس کا راوی عبید اللہ بن موسیٰ شیعہ تھا' گو ثقہ تھا (تقریب' ص ۲۲۷) تو بدعتی ثقہ کی مؤید بدعت روایت مقبول نہیں ہوتی۔ منہال بن عمرو پر وہم کی جرح منقول ہے (تقریب' ص ۳۴۸)۔ عباد بن عبداللہ کوفی بھی ضعیف ہے (تقریب' ص ۱۶۳)۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر جلد ۲ میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ عبقات' کتاب الضعفاء' صفحہ ۵۸ پر ہے: عقیلی نے سلیمان بن عبداللہ کے ترجمہ میں امام بخاری کی اس روایت پر

پوری جرح نقل کی ہے۔اس حدیث کے متعلق تنزیہہ الشریعۃ' ص ۳۷۶ پر ہے: اس میں منہال بن عمرو ہے جس کو امام شعبہ نے متروک قرار دیا ہے اور عباد بن عبداللہ اسدی ہے۔ابن مدینی کہتے ہیں یہ ضعیف الحدیث تھا۔اس اثر کو حاکم نے مستدرک میں نکالا ہے اور شرط شیخین پر تصحیح کی ہے' لیکن ذہبی نے تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ عباد ضعیف ہے۔

سوال (٤) : مندرجہ بالا روایت کے مطابق علی ﷺ نے اپنے آپ کو صدیق اکبر کہا ہے' کیا ابوبکر نے بھی کہا ہے؟

ج : جب مذکورہ بالا اثر ہی غیر ثابت اور جھوٹ ہے تو معارضہ کی کیا ضرورت ہے؟ یہ دعویٰ منصب نبوت کی طرح نہیں کہ اس کا دعویٰ کرنا اور اس پر حاضرین سے ایمان کا مطالبہ کرنا واجب ہو۔صفاتِ شخصیہ میں سے اس کا چھپانا ہی اولیٰ ہے تا کہ تعلّی اور خودستائی پیدا نہ ہو۔بندگانِ خدا کسرِ نفسی سے کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴾ (آل عمران:۱۹۳) " اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہماری برائیاں مٹا دے اور ہمیں نیکو کاروں کے ساتھ وفات دے"۔

اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم بھی دی ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (النجم:۳۲)

"تم اپنے آپ کو پاک نہ بتلاؤ' وہ خوب جانتا ہے کہ پرہیز گار کون ہے"۔

سوال (٥) : کیا سلمان فارسیؓ اور ابوذر غفاریؓ اور ابن عباسؓ اُمت میں شامل نہیں؟ پھر وہ کیوں علی ﷺ کو صدیق اکبر مانتے ہیں؟ تو ابوبکرؓ کو صدیق اکبر ماننے پر اجماع کا دعویٰ باطل ہوا۔

ج : وہ روایات ہی من گھڑت ہیں' اس کے یہ حضرات قائل نہ تھے' ابوبکرؓ کو ہی صدیق مانتے تھے۔ملاحظہ ہو! حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) راوی ہیں کہ حضور (علیہ الصلوۃ والسلام) حرا پہاڑ پر چڑھے ہوئے تھے۔پہاڑ کو (ہیبت سے) زلزلہ

آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہر جا! تجھ پر نبی' صدیق اور شہداء کھڑے ہیں''۔ اس وقت رسول اللہ کے ساتھ حضرات ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم کھڑے تھے۔ (ازالۃ الخفاء' ج ا' ص ۹ ۷ بحوالہ ابویعلیٰ از ابن عباسؓ) یہ حدیث صحاح ستہ میں اور بہت سے صحابہؓ سے مروی ہے۔ شیعہ کا اتفاق ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور ابوذر غفاری حضرت علی المرتضیٰ کے خاص پیروکاروں اور محبوں سے ہیں۔ جب حضرت علیؓ لاتعداد روایات کی روشنی میں حضرت ابوبکر کو صدیق اکبر مانتے تھے تو سلمان وابوذر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔

۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''یہ وہ شخص ہے جس کا صدیق نام خود اللہ نے حضرت جبریل اور حضرت محمد ﷺ کی زبان سے رکھا ہے' رسول اللہ ﷺ کے (مقرر کئے ہوئے) نماز میں خلیفہ تھے' جب آپؐ نے ان کو ہمارے دین کے لئے چنا تو ہم نے اپنی دنیا (انتظامِ خلافت) کے لئے چن لیا''۔ اس کی سند جید ہے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی' ص ۳۱' بحوالہ حاکم درمستدرک)۔

۲) دارقطنی اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر فرماتے تھے کہ اللہ نے اپنے نبی کی زبان پر ابوبکر کا نام صدیق رکھا ہے۔

۳) طبرانی نے بسند جید صحیح حکیم بن سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ اللہ نے ابوبکر کا صدیق نام آسمان سے اتارا ہے۔ (تاریخ الخلفاء' ص ۳۱)۔

۴) ازالۃ الخفاء' ج ا' ص ۶۹ میں ہے کہ وفاتِ صدیق پر آپ کے فضائل میں ایک بہت لمبی تقریر میں حضرت علیؓ نے فرمایا: ''آپؓ سب سے پہلے مسلم' ایمان اور یقین میں سب سے زیادہ مخلص اور سخت تھے' آپؓ نے اُس وقت رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی جب لوگوں نے تکذیب کی' اللہ نے تنزیل میں آپ کا نام صدیق رکھا ہے۔ فرمایا: ﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ﴾ سچ محمد ﷺ لائے ہیں اور آپ کی تصدیق ابوبکر نے کی ہے...... الخ''۔

بخاری واحمد کے حوالہ سے یہ روایت جو نقل کی گئی ہے کہ صدیق تین ہیں: ''حبیب النجار' مؤمن آلِ فرعون' علی بن ابی طالب' جو اِن دونوں سے افضل ہیں''۔ تو معلوم ہو کہ بخاری میں حضرت علیؓ کا ذکر تیسرے نمبر پر نہیں ہے۔ یہ شیعوں کا اضافہ ہے۔ یہاں صدیق کا مفہوم یہ ہے کہ آڑے وقت میں ان لوگوں نے اپنے دین اور نبی کی حفاظت کی اور جان خطرے میں ڈالی۔ چنانچہ مؤمن آلِ فرعون نے فرعون کے دربار میں کہا تھا: ﴿اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾ بروایت بخاری' ج ۱ ص ۲۵۰۔ یہی جملہ صدیق اکبر نے اس وقت کہا جب کفارِ قریش حضور ﷺ پر پل پڑے تھے۔ ایک بدبخت عقبہ بن ابی معیط نے گلے میں پٹکا ڈال کر آپؐ کا گلا گھونٹنا چاہا۔ صدیق اکبر کو پتہ چلا تو دوڑے آئے' اس کافر کو مار کر آپؐ سے ہٹایا اور پھر ڈانٹتے ہوئے وہ قرآنی جملہ کہا۔ تو پتہ چلا کہ مؤمن آل فرعون کی طرح ابوبکر بھی صدیق اور خاص دفاع کرنے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تیسرے نمبر پر آپؓ کے صدیق رضی اللہ عنہ ہونے کا ذکر ہے۔

ان پانچ سوالوں کے جوابات کا حاصل یہ نکلا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو رسول اللہ ﷺ نے صدیق کہا' حضرت علیؓ کو نہیں کہا۔ ایسے آثار و روایات جھوٹی ہیں' البتہ ایک مؤمن مصدق کی حیثیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی صدیق ہیں' جیسے اور صحابہ کرام تھے۔ ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ﴾ (الحدید: ۱۹)

''جو لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے وہ صدیق ہیں اور اپنے ربّ کے ہاں شہداء (گواہی دینے والے) ہیں''۔ (جاری ہے)

ضرورتِ رشتہ

رفیق تنظیم اسلامی کی گریجویٹ بیٹی' قرآن اکیڈمی کے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس سے فارغ التحصیل' عمر 20 سال' شرعی پردہ کی پابند کے لئے دینی گھرانے سے برسرروزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔
رابطہ: دفتر تنظیم اسلامی حلقہ خواتین' قرآن اکیڈمی' 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 5836438

گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ کی حقیقت

تحریر: ڈاکٹر سید رضوان علی ☆

گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ دو ایسی اصطلاحیں ہیں جو ہر اسلامی معاشرے میں معروف ہیں اور جن کو عام مسلمان خواہ کسی زبان، نسل اور وطن سے تعلق رکھتے ہوں، سمجھتے ہیں، اور ان دونوں کا ادراک و تصور رکھتے ہیں، ہر چند کہ وہ بعض حالات میں مبہم ہوں۔

مگر کچھ لوگ اس تقسیم کو بے جا سمجھتے ہیں، اور گناہ خواہ وہ ''کبیرہ'' (بڑا) ہو یا ''صغیرہ'' (چھوٹا) اسے ایک ہی گردانتے ہیں۔ میرے ایک محترم دوست جو ایک بلند پایہ صحافی اور متدین شخص ہیں، کچھ اس طرح کا خیال رکھتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا اس عام تصورِ اسلامی کی کیا حقیقت ہے اور اس کا کیا جواز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک اہم سوال ہے اور اس کو وہی اٹھا سکتے ہیں جن کے اندر گہرا دینی شعور موجود ہے اور جو اُخروی جزا و سزا پر یقین اور معاشرہ کی اصلاح کا جذبہ رکھتے ہیں۔ یہاں اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض لوگ یہ سوال تنزل پذیر اور ''آفات زدہ'' مسلم معاشرہ کو سامنے رکھتے ہوئے طنز و تضحیک کی خاطر بھی اٹھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اِس وقت ہمیں کوئی سروکار نہیں، البتہ سنجیدہ اور پختہ ذہن رکھنے والوں کی تسلی کے لئے اس سوال پر روشنی ڈالنے کی ایک کوشش کی جا رہی ہے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ یہ دونوں اصطلاحیں علماء و فقہاء یا ''مولویوں'' کی ایجاد کردہ نہیں ہیں، بلکہ ان کا ماخذ قرآن و سنت ہیں جن میں صراحت کے ساتھ ان کا ذکر آیا ہے اور یہ تقسیم کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

۱) ﴿وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾ (القمر: ۵۳)

''ہر چھوٹا و بڑا (گناہ) لکھا جاتا ہے۔''

☆ سابق پروفیسر بن غازی یونیورسٹی و امام ابنِ سعود یونیورسٹی، ریاض

۲) ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ......﴾ (النساء: ۳۱)

''اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے تو اس کو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا کفارہ بنا دیں گے۔''

یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان دونوں آیتوں میں لفظ ''ذنب'' یا ''اثم'' (یعنی گناہ) کا استعمال نہیں ہوا ہے' پھر ترجمہ میں یہ کیوں بڑھا دیا گیا؟ تو درحقیقت یہ اضافہ سیاق کے مطابق کیا گیا ہے جس سے ذنب (گناہ) کے لفظ کا تعین بہت واضح ہے اور مشہور و معتمد قدیم عربی تفاسیر جیسے تفسیر ابن کثیر و تفسیر قرطبی وغیرہ میں بھی یہ معنی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک تیسری آیتِ قرآنی سے بھی اس کا تعین ہوتا ہے:

۳) ﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ﴾ (النجم: ۳۲)

''وہ لوگ لغزشوں کے سوا کبیرہ گناہوں اور فواحش سے اجتناب کرتے ہیں' یقیناً ان کے لئے تمہارا پروردگار بڑی مغفرت والا ہے''۔

یہاں وضاحت کے ساتھ ''کبائر'' کے ساتھ ''اثم'' (گناہ) کا لفظ آیا ہے' اور فواحش اِن کا مترادف ہے' اس کے مقابلہ میں ''اللّمم'' کا لفظ ہے' جس کو ہم چھوٹے موٹے گناہ یا لغزش سے تعبیر کر سکتے ہیں' اور انہی کے لئے گناہِ صغیرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس سے قبل پیش کردہ آیت میں ''سَیِّـــاٰت'' اور اس سے پہلے کی آیت میں ''صغیر'' یعنی ذنب صغیر کا لفظ آیا ہے۔

اس لئے عربی زبان اور شرعی اصطلاح میں کبیرہ گناہوں کے لئے صرف ''الکبائر'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے' اور صغیرہ گناہوں کے لئے صرف ''الصغائر'' کا لفظ۔ قرآن کے علاوہ احادیث نبویہؐ میں تو بکثرت کبیرہ گناہوں کے لئے ''الکبائر'' اور ''اکبر الکبائر'' کا لفظ استعمال ہوا ہے' اور صغیرہ گناہوں کے لئے الصغائر کے علاوہ ''محقّرات الذنوب'' (یعنی بہت معمولی گناہ یا غلطیاں) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اور اسی لئے برصغیر میں لکھی ہوئی ایک بے نظیر کتاب ''کشّاف اصطلاحات الفنون'' (سال تالیف ۱۱۵۸ھ) کے مصنف نے ان آیات اور احادیث کی روشنی میں

''ذنوب'' (گناہ) کو صغیرہ و کبیرہ میں تقسیم کیا ہے۔ محمد بن اعلیٰ بن علی الفاروقی التھانوی کی اس عربی کتاب کی محققین بڑی قدر کرتے ہیں اور عرب سکالرز اس کو برصغیر کا سب سے اہم علمی تحفہ سمجھتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ گناہِ صغیرہ اور کبیرہ ہیں کیا؟ یہاں بھی بعض معترضین کا کہنا ہے کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو صغیرہ کہا جاتا ہے' جیسے دروغ گوئی' رشوت ستانی' بدکلامی' بدمزاجی' چغل خوری' غیبت وغیرہ اور جو معاشرہ میں اپنے بُرے نتائج کے اعتبار سے چوری' ڈکیتی' زنا' شراب' قمار وغیرہ مشہور کبیرہ گناہوں سے کسی طرح کم نہیں' اسی لئے گناہِ صغیرہ و کبیرہ کی یہ تقسیم کسی محکم عقلی دلیل و برہان پر قائم نہیں۔

عرض ہے کہ اس ضمن میں لوگوں کے اذہان میں کافی ابہام ہے' لیکن اسلامی تعلیمات یہاں بڑی حد تک واضح ہیں' اور علماءِ حق نے ان کی بنیاد پر کبیرہ گناہوں کی جو تعریف کی ہے' اور جس کا ذکر آگے آتا ہے' وہ بڑی جامع ہے' لیکن اس سے قبل یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جن احادیث میں چند اکبر الکبائر (کبیرہ گناہوں) کا بطورِ خاص ذکر ہوا ہے ان میں کچھ وہ ہیں جو قانون کی زبان میں جرم کہے جاتے ہیں' کچھ عقائدی یا مذہبی گناہ ہیں اور کچھ اخلاقی عیوب و نقائص۔ مشہور اور صحیح احادیث میں ان سب جرائم' گناہوں اور اخلاقی عیوب کو ''کبائر'' کے نام سے ہی یاد کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ان کی تعداد سات بتائی گئی ہے' ایک دوسری میں نو' کچھ دوسری احادیث میں مزید کبائر کا ذکر ہے' غرض موقع و محل کی مناسبت سے آنحضرت ﷺ نے کبیرہ گناہوں کا جو ذکر فرمایا ہے اور ان میں سے بعض کو اکبر الکبائر (یعنی کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے گناہ) کہا ہے ان میں سرفہرست مندرجہ ذیل کبائر یا کبیرہ گناہ ہیں:

شرک' ناجائز قتل' والدین کی نافرمانی و حق تلفی' میدانِ جنگ سے فرار' جادو' یتیم کا مال کھانا' شریف اور پاک دامن عورتوں پر بدکاری کا اتہام' جھوٹ اور جھوٹی گواہی' سودخوری' زنا' شراب نوشی۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے'

جس میں انہوں نے کبیرہ گناہوں کی تعریف یا تحدید اس طرح کی کہ: ہر وہ قول وفعل جس کے ذکر کے ساتھ قرآن کریم میں وعید آئی ہے، وہ گناہِ کبیرہ ہے، جیسے قتل، بدکاری کا الزام، زنا، ربا، میدانِ جنگ سے فرار، یتیم کا مال کھانا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تشریح کو دیکھا جائے یا اُن احادیثِ صحیحہ کو جن میں ایسے کبائر بیان کئے گئے ہیں، اس سب سے یہ بات واضح ہے کہ ان میں سے بعض گناہِ کبیرہ ایسے ہیں جن کا تعلق صرف عقیدہ سے ہے، اور جن کو ہمارے غیر اسلامی یا نیم اسلامی معاشرہ میں گناہ نہیں سمجھا جاتا، یا یوں کہئے کہ بہت سے حلقوں میں نہیں سمجھا جاتا، جیسے شرک اور جادو، بعض ایسے ہیں جن کو صرف بداخلاقی میں شمار کیا جاتا ہے، جیسے والدین کی نافرمانی اور حق تلفی۔ بعض دوسرے ہیں جن کا مرتکب قانون کی گرفت میں آتا ہے، جیسے قتل اور چوری یا بعض اسلامی ممالک میں شراب خوری اور اتہامِ بدکاری، کیونکہ یہ جرائم ہیں جن کی قانون میں سزا ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلام میں عقائد، عبادات، تجارت، زراعت، صنعت، خاندانی تنظیم و معاشرت وغیرہ یہ سب ہی شریعت یا قانونِ اسلامی کے زمرہ میں آتے ہیں، ان تمام امور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی واضح ہدایات یا اس کے اوامر ونواہی کا عدم اتباع ہی گناہ ہے، لیکن بعض ایسے گناہ ہیں جن کی شریعت نے دنیا میں حد یا سزا مقرر کی ہے اور بعض ایسے ہیں جن کی سزا صرف آخرت میں ہے، کیونکہ ان کا تعلق انسان کے باطن سے ہے، اس لئے علماءِ فقہ یا علماءِ قانونِ اسلامی نے ان کی تعریف محض قانونی نقطۂ نگاہ سے بھی کی ہے، تاکہ ایسے کبیرہ گناہوں کے مرتکبین کے خلاف اسلامی قانون حرکت میں آسکے۔ مگر میرے خیال میں اس کی جامع تعریف وہ ہے جو امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ کی گیارھویں جلد میں کی ہے۔ وہ کبائر کی تعریف وتحدید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''کبائر وہ گناہ ہیں جن کی سزا دنیا میں شریعت نے مقرر کی ہے، یا وہ جن کی سزا آخرت میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے''۔

جہاں تک صغیرہ گناہوں کا تعلق ہے، یہ بے شمار ہیں، یہ شب وروز میں ہونے والی

وہ غلطیاں' لغزشیں اور کوتاہیاں ہیں جن سے کوئی انسان بری نہیں' مثلاً عبادات کو بطریقِ احسن ادا نہ کرنا' بدمزاجی' بدکلامی' کھانے میں عیب حتیٰ کہ راستہ سے پتھر اور کانٹے نہ ہٹانا وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ کاملہ سے ایسے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ان نیکیوں اور عبادات کو بنا دیا ہے جو ایک مسلمان کے فرائض میں شامل ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (هود: ١١٤)

''نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔''

اسی طرح صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے:

((اَلصَّلَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ)) وفي رواية: ((وَرَمَضَانُ اِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ))

''پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ سے لے کر دوسرا جمعہ' ان کے درمیان جو گناہ ہوتے ہیں ان کا کفارہ ہیں' تاوقتیکہ کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے''۔ ایک روایت میں ہے: ''اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ہونے والی لغزشوں کا کفارہ ہے اگر انسان کبائر سے بچا رہے۔''

اسی طرح وضو کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ جب ایک مسلمان وضو کرتا ہے تو پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے ہاتھ' آنکھیں اور پاؤں ان گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں جو ان کے واسطے سے کیے گئے۔ اسی طرح بہت سی وہ خوش اخلاقیاں ہیں جو احادیث کے مطابق صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنتی رہتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک انسان ان صغیرہ گناہوں کو اپنی عادت بنا لے' مگر یہ بات بھی واضح ہے کہ وہ سب بحیثیت مجموعی بھی ان کبیرہ گناہوں کے برابر نہیں ہو سکتیں جن پر شریعت میں کوئی سزا مقرر ہے یا جن کے بارے میں قرآنِ کریم و احادیثِ نبویہؐ میں کوئی وعید آئی ہے' یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کے غضب' لعنت اور عذابِ جہنم کا ذکر ہے۔

اس سب کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی تقسیم واقعی اور بڑی حکیمانہ ہے۔ OO

مسلمان کا طرزِ حیات (۲۹)

علامہ ابو بکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منهاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الآداب

نواں باب

کھانے پینے کے آداب

ایک مسلمان کی نظر میں کھانا پینا بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ مقصود حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ اس لئے کھاتا اور پیتا ہے تاکہ اس کا جسم ٹھیک رہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے۔ یہ عبادت اس کے لئے آخرت میں عزت و شرف اور سعادت کا باعث ہوگی۔ اس لئے اس کا کھانا پینا حصولِ لذت یا نفس کی خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر اسے بھوک نہ لگتی تو وہ کھانا نہ کھاتا اور اگر اسے پیاس نہ لگتی تو پانی نہ پیتا۔ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان نقل ہوا ہے :

((نَحْنُ قَوْمٌ لَا نَاكُلُ حَتّٰى نَجُوْعَ ' وَاِذَا اَكَلْنَا فَلَا نَشْبَعُ)) [1]

"ہم وہ لوگ ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے کھانا نہیں کھاتے اور جب کھانا کھاتے ہیں تو (بہت زیادہ) سیر نہیں ہوجاتے"۔

اس لئے مسلمان اپنے کھانے پینے میں بھی شریعت کے خصوصی آداب کو پیش نظر رکھتا ہے۔ جن میں سے چند آداب مندرجہ ذیل ہیں :

۱) کھانا کھانے سے پہلے کے آداب

① کھانے پینے کی اشیاء پاک ہونی چاہئیں۔ یعنی وہ حلال و طیب ہوں اور ان میں حرام کی ملاوٹ یا شبہ نہ ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ... ﴾ (البقرۃ : ۱۷۲)

"اے ایمان والو! ہم نے تمہیں جو پاک چیزیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔"

طیب سے مراد وہ حلال چیز ہے جو گندی اور خبیث نہ ہو۔

(۲) کھانے پینے سے یہ نیت ہو کہ اس سے اللہ کی عبادت کرنے کے لئے طاقت حاصل ہو گی۔ اس نیت کی وجہ سے اسے کھانے پینے پر ثواب ملے گا۔ کیونکہ جائز کام حسن نیت کی وجہ سے قابل ثواب نیکی بن جاتا ہے۔

(۳) اگر ہاتھ صاف نہ ہوں یا صاف ہونے کا یقین نہ ہو تو کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

(۴) زمین پر دستر خوان بچھا کر اس پر کھانا رکھا جائے' میز وغیرہ پر نہ رکھا جائے' کیونکہ اس میں تواضع ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز پر یا چھوٹی پیالیوں میں کھانا نہیں کھایا"۔ (۲)

(۵) متکبرانہ انداز سے نہ بیٹھے' بلکہ بیٹھنے کا انداز خاکسارانہ ہو' مثلاً گھٹنوں کے بل بیٹھ جائے یا اکڑوں بیٹھ جائے یا دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پر بیٹھے' جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھا کرتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا آكُلُ مُتَّكِئًا ' اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ)) (۳)

"میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا' اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ (غلام) کھایا کرتا ہے' اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح (اللہ کا) بندہ بیٹھا کرتا ہے"۔

(۶) جو کھانا موجود ہو اس پر راضی رہے' اس میں عیب نہ نکالے' پسند آئے تو کھا لے ورنہ چھوڑ دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں نقص نہیں نکالا' اگر آپ کو خواہش ہوتی تو تناول فرماتے' اچھا نہ لگتا تو چھوڑ دیتے"۔ (۴)

(۷) دوسروں کے ساتھ مل کر کھائے' مثلاً مہمان یا بیوی یا بیٹے یا خادم کے ساتھ مل کر کھائے۔ حدیث نبویؐ ہے:

((اِجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ)) (۵)

"کھانا کھاتے ہوئے اکٹھے ہو جایا کرو' تمہارے لئے اس میں برکت ہو جائے گی"۔

ب) کھانے کے دوران کے آداب

① اللہ کا نام لے کر بِسْمِ اللّٰہ سے کھانا شروع کرے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى' فَاِنْ نَسِيَ اَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ اَوَّلِهٖ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ)) (۶)

"جب کوئی شخص (کھانا) کھائے تو اللہ کا نام لے لے۔ اگر شروع میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو یوں کہے: ((بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ)) "اللہ کے نام سے اس کا شروع اور آخر"۔

② آخر میں اللہ کا شکر کرے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَكَلَ طَعَامًا وَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ)) (۷)

"جو شخص کھانا کھائے اور کہے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ)) "اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور بغیر میری کوشش اور قوّت کے مجھے یہ رزق دیا" اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں"۔

③ دائیں ہاتھ سے تین انگلیوں سے کھائے۔ لقمہ چھوٹا لے اور اسے اچھی طرح چبائے۔ اپنے سامنے سے کھائے' برتن کے درمیان سے نہ کھائے۔ آنحضرت ﷺ نے جنابِ عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ' وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ)) (۸)

"لڑکے! اللہ کا نام لو' دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ"۔

نیز فرمانِ نبویؐ ہے:

((اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ' فَكُلُوْا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَاْكُلُوْا مِنْ وَّسَطِهٖ)) (۹)

"برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے کناروں سے کھاؤ' درمیان سے مت کھاؤ"۔

④ کھانا اچھی طرح چبا کر کھائے' پلیٹ کو (انگلیوں سے) چاٹ لے' اور انگلیاں

رومال سے صاف کرنے یا پانی سے دھونے سے پہلے چاٹ لے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ طَعَامًا فَلَا یَمْسَحْ اَصَابِعَهُ حَتّٰی یَلْعَقَهَا اَوْ یُلْعِقَهَا)) (۱۰)

"جب کوئی شخص کھانا کھائے تو اپنی انگلیاں نہ پونچھے حتیٰ کہ انہیں چاٹ لے یا چٹوالے"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلیاں اور تھالی چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا:

((اِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیِّ طَعَامِکُمُ الْبَرَکَةُ)) (۱۱)

"تمہیں معلوم نہیں تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔"

⑤ کھانے کی چیز سے اگر کچھ نیچے گر جائے تو مٹی وغیرہ دور کر کے اسے کھالے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

((اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِکُمْ فَلْیَاْخُذْهَا' وَلْیُمِطْ (یَنَحِّ) عَنْهَا الْاَذٰی وَلْیَاْکُلْهَا' وَلَا یَدَعْهَا لِلشَّیْطَانِ)) (۱۲)

"جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے اٹھالے' اس سے مٹی وغیرہ دور کرے اور کھالے۔ اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے"۔

⑥ کھانا گرم ہو تو پھونکیں نہ مارے' اس کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرے پھر کھائے' پانی پیتے ہوئے پانی میں پھونک نہ مارے۔ برتن سے منہ ہٹا کر سانس لے اور تین سانس میں پیئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ پانی پینے کے دوران تین بار سانس لیتے تھے"۔ (۱۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "نبی ﷺ نے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا"۔ (۱۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "نبی ﷺ نے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا"۔ (۱۵)

⑦ پیٹ خوب بھرنے سے اجتناب کرے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَا مَلَا آدَمِیٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهٖ' حَسْبُ ابْنِ آدَمَ لُقَیْمَاتٌ یُقِمْنَ

صُلْبَهُ، فَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَ ثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَ ثُلُثٌ لِنَفْسِه)) (۱۶)

"کوئی انسان پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں بھرتا۔ آدم کے بیٹے کو تو چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے۔ اگر ایسا نہیں کرتا تو پھر ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے"۔

⑧ کھانا اور مشروب پہلے اس شخص کو پیش کیا جائے جو مجلس میں سب سے زیادہ بزرگ شخص ہے۔ پھر اس کے دائیں والے کو دے اور پلانے والا خود آخر میں پئے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "کَبِّرْ کَبِّرْ" "بڑے کا لحاظ کر"۔ یعنی حاضرین میں سے جو بڑا ہے اس سے شروع کر۔ ایک بار مجلس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جنابِ رسول اللہ ﷺ کے دائیں ہاتھ بیٹھے تھے اور بائیں طرف بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے تو آنحضور ﷺ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اجازت طلب کی کہ مشروب پہلے بزرگوں کو پیش کیا جائے۔ (۱۷) آپ ﷺ کا اجازت طلب کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مجلس میں دائیں طرف والا ترجیح کا مستحق ہے۔ نیز ارشادِ نبوی ہے: "اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ" (۱۸) پہلے دائیں طرف والے کو، پھر اس کے ساتھ والے کو دو"۔ اور فرمایا:

((سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ)) (۱۹)

"لوگوں کو پانی پلانے والا سب سے آخر میں پیتا ہے"۔

⑨ جب مجلس میں زیادہ معمر یا زیادہ معزز شخص موجود ہو تو اس سے پہلے کھانا یا پینا شروع نہ کیا جائے، کیونکہ یہ ادب کے منافی ہے۔ ایسی حرکت والے کو کھانے کا لالچی سمجھا جاتا ہے جو ایک بری عادت ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

وَاِنْ مُدَّتِ الْاَیْدِیْ اِلَی الزَّادِ لَمْ اَکُنْ
بِاَعْجَلِهِمْ اِذْ اَجْشَعُ الْقَوْمِ اَعْجَلُ

"جب ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے ہیں تو میں زیادہ جلدی کرنے والا نہیں ہوتا، کیونکہ (کھانا شروع کرنے میں) سب سے زیادہ جلدی وہی کرتا ہے جو زیادہ لالچی ہو۔"

⑩ اپنے ساتھی اور میزبان کو اس بات پر مجبور نہ کرے کہ وہ اصرار کے ساتھ اس سے کھانے کی درخواست کرے۔ بلکہ آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے ضرورت کے مطابق کھالے۔ اور اس میں شرم نہ کرے اور نہ تکلفاً شرم کا اظہار کرے، کیونکہ اس سے

دوست اور میزبان تنگی محسوس کرتا ہے اور اس میں ایک لحاظ سے ریاء بھی پائی جاتی ہے اور ریاء حرام ہے۔

⑪ کھانا کھاتے ہوئے اپنے ساتھی کا خیال رکھے' اور اس سے زیادہ کھالینے کی کوشش نہ کرے' خاص طور پر جب کہ کھانا کم ہو۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنے ساتھی کا حق کھانے کا مرتکب ہو جائے گا۔

⑫ کھانے کے دوران دوسرے ساتھیوں کی طرف نہ دیکھے' اور ان کے کھانا کھانے کی طرف توجہ نہ کرے' کیونکہ اس طرح وہ شرم محسوس کریں گے۔ بلکہ اسے چاہیئے کہ اپنے دائیں بائیں بیٹھ کر کھانے والوں کی طرف سے نظر ہٹائے رکھے اور ان کی طرف جھانک کر نہ دیکھے' کیونکہ اس سے وہ اذیت محسوس کریں گے' بلکہ اس کا یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ ان میں سے کسی کے متعلق دل میں نفرت پیدا ہو جائے اور یہ گناہ گار ہو جائے۔

⑬ ایسی حرکت نہ کرے جسے عام طور پر ناگوار سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً پیالے میں ہاتھ نہ جھٹکے' کھانا کھاتے ہوئے سر کو برتن سے بالکل قریب نہ کرلے۔ اس طرح اگر اس کے منہ سے کوئی ذرہ گرا تو برتن میں گرے گا اور دوسرے ساتھی کو ناگوار گزرے گا۔ اسی طرح دانتوں سے روٹی توڑ کر باقی ٹکڑا سالن میں نہ لگائے۔ یہ بھی خیال رکھے کہ کھانا کھانے کے دوران ایسے الفاظ نہ بولے جن کا تعلق گندگی اور کوڑے کرکٹ سے ہے' کیونکہ اس سے کسی ساتھی کی دل آزاری کا امکان ہے اور مسلمان کی دل آزاری حرام ہے۔

⑭ جب کسی غریب آدمی کے ساتھ کھانے میں شریک ہو تو کھانے کے دوران ایثار کو مدنظر رکھے۔ اور بھائیوں کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے خوش گوار ماحول پیدا کرے اور ہلکا پھلکا ہنسی مذاق ہو۔ بلند مقام پر فائز حضرات کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے ادب و احترام ملحوظ خاطر رہنا چاہیئے۔

ج) کھانا کھانے کے بعد کے آداب

① زیادہ سیر ہونے سے پہلے ہاتھ روک لے اور اس طرح آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرے۔ اور اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ ہیضہ وغیرہ جیسی امراض سے بچا

رہے گا۔ اور زیادہ کھانے کی وجہ سے ذہانت اور عقل میں جو کمی ہوتی ہے اس سے بھی محفوظ رہے گا۔

② اپنا ہاتھ چاٹ لے' پھر پونچھ لے یا دھو لے' اور دھونا بہتر اور افضل ہے۔

③ کھانا کھانے کے دوران اگر کچھ دسترخوان پر گرا ہے تو اسے اٹھا کر کھالے۔ احادیث میں اس کی ترغیب آئی ہے اور یہ اللہ کی نعمت کے شکر میں شامل ہے۔

④ دانتوں کا خلال کرے اور کلی کے ذریعہ منہ صاف کرلے۔ کیونکہ اسی منہ سے اللہ کا ذکر بھی کرے گا اور دوستوں سے بات چیت بھی۔ اس کے علاوہ منہ کی صفائی کی وجہ سے دانت بھی محفوظ رہتے ہیں۔

⑤ کھانے پینے کے بعد اللہ کا شکر کرے۔ جب دودھ پئے تو کہے: ((اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ)) [۲۰] "اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور مزید دے"۔ کسی کے ہاں روزہ کھولے تو کہے: ((اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُونَ وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ)) [۲۱] "روزہ داروں نے آپ کے ہاں روزہ کھولا اور نیک لوگوں نے آپ کا کھانا کھایا اور فرشتوں نے آپ پر رحمت بھیجی"۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے: ((اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ)) [۲۲] "اے اللہ تو نے انہیں جو رزق دیا ہے اس میں برکت فرما اور انہیں بخش دے اور ان پر رحمت کر۔"

جس نے یہ دعا دی اس نے سنت پر عمل کر لیا اور بہت دعا دے دی۔

کتاب الاداب

دسواں باب

دعوت کے آداب

مسلمان اپنے مہمان کی عزت افزائی کو واجب سمجھتا ہے' اس لئے اس کا مناسب حد تک اکرام کرتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ)) [۱]

"جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت

کرے"۔

اور یہ بھی فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ)) قَالُوْا: وَمَا جَائِزَتُهُ؟ قَالَ: ((يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ وَالضِّيَافَةُ ثَلاثَةُ اَيَّامٍ' فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ)) (۲)

"جس شخص کا اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہے وہ اپنے مہمان کو اچھا ہدیہ پیش کرے"۔ صحابہ نے عرض کیا: "ہدیہ دینے کا کیا مطلب ہے؟" ارشاد فرمایا: "ایک دن رات کی مدت (زیادہ اچھا کھانا پیش کرے)' اور تین دن تک ضیافت ہے' اس کے بعد صدقہ ہے"۔

لہٰذا مسلمان ضیافت سے متعلق مندرجہ ذیل آداب کی پابندی کرتا ہے:

۱) دعوت دینے کے آداب

① دعوت میں نیک لوگوں کو بلائے' فاسق اور فاجر افراد کو نہ بلائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا' وَلَا يَاكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ)) (۳)

"صرف مؤمن کو ساتھی بناؤ اور تمہارا کھانا صرف متقی آدمی کھائے"۔

② دعوت میں غریبوں کو چھوڑ کر صرف امیروں کو نہ بلائے۔ کیونکہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى اِلَيْهَا الْاَغْنِيَاءُ دُوْنَ الْفُقَرَاءِ)) (۴)

"سب سے برا کھانا دعوت کا وہ کھانا ہے جس میں دولت مندوں کو بلایا جائے اور ناداروں کو نہ بلایا جائے"۔

③ دعوت سے فخر و مباہات مقصود نہ ہو بلکہ نبی کریم ﷺ اور سابقہ انبیاءِ کرام' مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت پر عمل کرنے کی نیت ہو' اور مؤمن بھائیوں کے دلوں کو خوش کرنا مقصود ہو۔

④ ایسے شخص کو دعوت نہ دے جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے لئے حاضر ہونا مشقت کا باعث ہو گا۔ یا یہ خیال ہو کہ حاضرین میں سے کسی شخص کی موجودگی اسے ناگوار ہو گی۔ کیونکہ مؤمن کو ایذا دینا حرام ہے۔

ب) دعوت قبول کرنے کے آداب

① دعوت قبول کرے اور بلاعذر اس سے غیر حاضر نہ رہے۔ کسی قسم کے دینی یا جانی نقصان کا خطرہ عذر میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَلْیُجِبْ)) (۵)

"جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو اسے چاہئے کہ دعوت قبول کرے"۔

نیز فرمایا:

((لَوْ دُعِیْتُ اِلٰی کُرَاعِ شَاۃٍ لَاجَبْتُ' وَلَوْ اُھْدِیَ اِلَیَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ)) (۶)

"اگر مجھے بکری کا پایہ بھی کھانے کی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا' اگر مجھے ایک پایہ بھی تحفہ دیا جائے تو میں قبول کروں گا"۔

② امیر اور غریب سب کی دعوت قبول کرے۔ کیونکہ غریب کی دعوت قبول نہ کرنے سے اس کی دل شکنی ہو گی۔ پھر اس میں ایک قسم کا تکبر بھی پایا جاتا ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا گزر کچھ مسکینوں کے پاس سے ہوا۔ انہوں نے زمین پر روٹی کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے اور کھا رہے تھے۔ انہوں نے جنابِ حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: "اے رسول اللہ ﷺ کے نواسے! کھانا تناول فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا: "ہاں' ضرور کھاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے"۔ یہ کہہ کر خچر سے نیچے اتر آئے اور ان لوگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔

③ دعوت دینے والا قریب رہتا ہو یا دور رہتا ہو' ہر حال میں دعوت قبول کرے۔ اگر دو آدمیوں کی طرف سے دعوت آ جائے تو جس کی طرف سے پہلے پیغام ملا ہے اس کی دعوت قبول کرے اور دوسرے سے معذرت کر لے۔

④ دعوت قبول کرنے سے اس لئے انکار نہ کرے کہ نفلی روزہ رکھا ہوا ہے' بلکہ حاضر ہو۔ اگر دعوت دینے والے کی خوشی اسی میں ہو کہ مہمان کھانا کھائے تو روزہ چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ مؤمن کا دل خوش کرنا بھی کارِ ثواب ہے ورنہ دعائے خیر کرے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((إِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ' فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ - يَدْعُ - وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعِمْ ((7)

"جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو اسے چاہیئے کہ قبول کرے۔ پھر اگر وہ روزہ سے ہو تو دعا کرے۔ اور اگر روزہ نہ ہو تو کھانا کھالے"۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((تَكَلَّفَ لَكَ اَخُوْكَ وَتَقُوْلُ: اِنِّيْ صَائِمٌ!)) (8)

"تیرا بھائی تیرے لئے تکلف کرتا ہے اور تُو کہتا ہے: میں روزے سے ہوں!"

⑤ دعوت قبول کرتے ہوئے مسلمان بھائی کی عزت افزائی کی نیت ہونی چاہیئے تاکہ ثواب ملے' کیونکہ حدیث نبویؐ ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى)) (9)

"عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرے"۔

اچھی نیت کی وجہ سے مباح کام نیکی بن جاتا ہے جس پر مؤمن کو ثواب ملتا ہے۔

ج) دعوت کی حاضری کے وقت مہمان اور میزبان کے آداب

① مہمان کو چاہیئے کہ اتنا انتظار نہ کرائے کہ گھر والوں کو پریشانی ہو' اور نہ اتنی جلدی آپہنچے کہ انہوں نے ابھی تیاری بھی نہ کی ہو اور اس طرح ان کو تکلیف ہو۔

② جب گھر میں داخل ہو تو اعلیٰ مقام پر نہ بیٹھے' بلکہ بیٹھنے میں تواضع کو ملحوظ رکھے۔ البتہ اگر میزبان اسے کسی خاص جگہ پر بیٹھنے کو کہے تو وہاں جا بیٹھے اور پھر جگہ تبدیل نہ کرے۔

③ مہمان کو کھانا جلدی پیش کیا جائے' کیونکہ جلدی کھانا پیش کرنے میں مہمان کی عزت ہے۔ اور جنابِ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم ہے کہ:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ)) (10)

"جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے' وہ مہمان کی عزت کرے"۔

④ جب تک سب لوگ کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں' کھانا نہ اٹھایا جائے۔

⑤ دستر خوان پر اس قدر کھانا رکھے جو کافی ہو۔ کیونکہ کم کھانا رکھنا مروت کے خلاف ہے۔ اور زیادہ مقدار میں کھانا تصنع اور دکھلاوا ہے اور یہ دونوں کام مذموم ہیں۔

⑥ جب کسی کے ہاں مہمان ٹھہرے تو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے' البتہ اگر

میزبان اصرار کرے تو زیادہ دن بھی رُک سکتا ہے' اور جب واپس لوٹنا چاہے تو میزبان سے اجازت طلب کرے۔

⑦ میزبان کو چاہیئے کہ مہمان کو دروازے سے باہر تک چل کر الوداع کہے' کیونکہ سلف صالحین کا یہی معمول تھا اور اس میں مہمان کی عزت بھی ہے' جس کا شریعت نے حکم دیا ہے۔

⑧ مہمان خوش خوش روانہ ہو' اگرچہ اس کے حق کی ادائیگی میں کچھ کوتاہی بھی ہو گئی ہو تب بھی دل میں ناراضگی رکھ کر نہ روانہ ہو۔ یہ حسن خلق میں شامل ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات اتنا ثواب ملتا ہے کہ انسان روزہ رکھنے والے اور تہجد پڑھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔

⑨ مسلمان کے پاس تین بستر ہونے چاہئیں۔ (11) ایک اپنے لئے' ایک گھر والوں کے لئے اور ایک مہمان کے لئے۔ اس سے زیادہ رکھنا منع ہے۔ کیونکہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِلْمَرْاَةِ وَفِرَاشٌ لِلضَّيْفِ' وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ)) (12)

"ایک بستر آدمی کے لئے' ایک بستر اس کی بیوی کے لئے' ایک بستر مہمان کے لئے' جبکہ چوتھا شیطان کے لئے ہوتا ہے"۔

حواشی

نواں باب

(۱) دستیاب کتب حدیث میں اس حدیث کا حوالہ نہیں مل سکا۔ یہ شاید آثارِ صحابہؓ میں سے ایک اثر ہے' اور حدیثِ نبویؐ نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

(۲) صحیح البخاری' کتاب الاطعمة' باب الخبز المرقق والاکل علی الخوان والسفرة۔

(۳) صحیح البخاری (صرف پہلا جملہ) کتاب الاطعمة' باب الاکل متکئا۔ پوری حدیث امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں روایت کی ہے' جسے شیخ البانی نے قابل قبول قرار دیا ہے۔ دیکھئے سلسلة الاحادیث الصحیحہ ۲/۴۳

(۴) صحیح البخاری' کتاب الاطعمة' باب ما عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاماً قط۔ وصحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب لا یعیب الطعام۔

(۵) سنن ابی داؤد' کتاب الاطعمة' باب فی الاجتماع علی الطعام۔ وسنن ابن ماجه' کتاب الاطعمة' باب الاجتماع علی الطعام ۔ *ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں: "اور اس پر اللہ کا نام لو..."*

(۶) سنن ابی داؤد' کتاب الاطعمة' باب التسمية علی الطعام (*یہ الفاظ ابوداؤد کی روایت کے مطابق ہیں*) جامع الترمذی' کتاب الاطعمة' باب ما جاء فی التسمية علی الطعام۔ *امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔*

(۷) سنن ابی داؤد' کتاب اللباس' باب اول۔ وجامع الترمذی' کتاب الدعوات' باب ما یقول اذا فرغ من الطعام۔ وسنن ابن ماجه' کتاب الاطعمة' باب ما یقال اذا فرغ من الطعام۔

(۸) صحیح البخاری' کتاب الاطعمة' باب التسمية علی الطعام والاکل بالیمین۔ وصحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب آداب الطعام والشراب واحکامها۔

(۹) جامع الترمذی' کتاب الاطعمة' باب ما جاء فی کراهية الاکل من وسط الطعام۔

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب الاطعمة' باب لعق الاصابع ومصها۔ وصحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب استحباب لعق الاصابع والقصعة۔

(۱۱) صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب استحباب لعق الاصابع والقصعة۔

(۱۲) صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب استحباب لعق الاصابع والقصعة۔ *مذکورہ بالا الفاظ ترمذی کی روایت کے مطابق ہیں۔ دیکھیے* جامع الترمذی' کتاب الاطعمة' باب ما جاء فی اللقمة تسقط۔

(۱۳) صحیح البخاری' کتاب الاشربة' باب الشرب بنفسین او ثلاثة ۔ *مذکورہ الفاظ مسلم کی روایت کے مطابق ہیں۔* صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب کراهية التنفس فی الاناء واستحباب التنفس ثلاثا خارج الاناء۔

(۱۴) جامع الترمذی' کتاب الاشربة' باب ما جاء فی کراهية النفخ فی الشراب۔ *امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔*

(۱۵) جامع الترمذی' کتاب الاشربة' باب ما جاء فی کراهية النفخ فی الشراب۔ *امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔*

(۱۶) سنن ابی داؤد' کتاب الاشربة' باب النفخ فی الشراب۔ یہ الفاظ ابوداوٗد کی روایت کے مطابق ہیں۔ ومسند احمد۔ وسنن ابن ماجه' کتاب الاطعمة' باب الاقتصاد فی الاکل و کراهة الشبع (نحوه)

(۱۷) جامع الترمذی' کتاب الزهد' باب ما جاء فی کراهة کثرة الاکل۔ اس کی سند "حسن" ہے۔

(۱۸) صحیح البخاری' کتاب الاشربة' باب هل یستاذن الرجل من عن یمینه فی الشرب لیعطی الاکبر۔ وصحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب استحباب ادارة الماء واللبن ونحوهما علی یمین المبتدی۔

(۱۹) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجیل قضائها۔

(۲۰) سنن ابی داؤد' کتاب الاشربة' باب ما یقول اذا شرب اللبن۔ وجامع الترمذی' کتاب الدعوات' باب ما یقول اذا اکل الطعام۔

(۲۱) سنن ابی داؤد' کتاب الاطعمة' باب الدعاء لرب الطعام۔

(۲۲) صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب استحباب وضع النوی خارج التمر واستحباب دعاء الضیف لاهل الطعام وطلب الدعاء من الضیف الصالح واجابته لذلك۔

دسواں باب

(۱) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب حفظ اللسان۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الحث علی اکرام الجار والضیف الخ

(۲) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب حفظ اللسان (الفاظ کے کچھ فرق سے مروی ہے)' وصحیح مسلم' کتاب اللقطة' باب الضیافة ونحوها۔

(۳) مسند احمد' وسنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب من یومر ان یجالس۔ وجامع الترمذی' کتاب الزهد' باب ما جاء فی صحبة المومن۔

(۴) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب من ترك الدعوه فقد عصی اللّٰه ورسوله۔ صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب الامر باجابة الداعی الی الدعوة۔

(۵) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب الامر باجابة الداعی الی الدعوة۔

(۶) صحیح البخاری' کتاب الهبة' باب القلیل من الهبة۔

(۷) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ۔
(۸) سنن دار قطنی' کتاب الصیام۔
(۹) صحیح البخاری' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(۱۰) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یوذ جارہ۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الحث علی اکرام الضیف ولزوم الصمت الا عن الخیر وکون ذلک کلہ من الایمان۔
(۱۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت فضول سامان جمع نہیں کرنا چاہئے ورنہ گھر میں جتنے افراد ہیں ان کے لئے اتنے بستر تو ہونا ہی چاہئیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ جب بچے سیانے ہو جائیں تو دو بچوں کو ایک بستر میں نہ سلایا جائے۔
(۱۲) صحیح مسلم' کتاب اللباس' باب کراھیۃ ما زاد علی الحاجۃ من الفراش واللباس۔

30 روزہ رہائشی تربیتی کورس

08 جون تا 08 جولائی 2003ء

ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، فنی ماہرین، داعیانِ دین، مبلغین مدرسینِ قرآن اور دیگر جدید تعلیم یافتہ افراد کے لیے خوشخبری

عربی زبان، علوم القرآن، اُصولِ تفسیر، خلاصۃ القرآن اور اُصولِ حدیث پر مشتمل رہائشی کورس۔

گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ افراد کو ترجیح دی جائے گی۔
آج ہی -/3,500 روپے فیس (بشمول طعام و کتب) کے ساتھ رجسٹریشن کیجیے

بمقام: الفوز اکیڈمی، E-11/4، اسلام آباد
Tel: 210-6783

رابطہ: 317, Street 16, F-10/2, Islamabad. Fax : 051- 210-6366
Email: Chishti@apollo.net.pk

انفاق فی سبیل اللہ

آمنہ اشفاق

انفاق فی سبیل اللہ سے مراد خالصتاً اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق خرچ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں پیسہ خرچ کرنے کی اس حد تک تاکید کی ہے کہ کوئی صحیح العقیدہ مسلمان اس کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو مدِ نظر رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پیسہ پاس رکھنے کی چیز نہیں بلکہ خرچ کرنے کی چیز ہے۔ اس بات پر بحث نہیں کہ پیسہ تو خرچ ہی ہو جاتا ہے بلکہ زیرِ بحث یہ ہے کہ پیسے کا صحیح استعمال کیا ہے؟ اور ایک مسلمان ہونے کے ناطے صحیح طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے؟

قرآن پاک میں کئی مقامات پر انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب و تاکید ہے۔ اپنے موقف کی وضاحت کے لئے میں صرف سورۃ البقرۃ کی چند آیات بیان کروں گی۔ قرآن پاک کی اس سورۃ میں انفاق فی سبیل اللہ کی سب سے زیادہ ترغیب دی گئی ہے۔ آغاز ہی میں فرمایا:

﴿الٓـمّٓ ۞ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۛ فِیۡہِ ۛ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۞ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰـہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۞ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ وَبِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ۞ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ ٭ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۞﴾ (البقرۃ: ۱۔۵)

''الٓــمّٓ۔ یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ کتاب (قرآن) راستہ بتانے والی ہے ان پرہیزگاروں کو جو یقین لاتے ہیں غیب کی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ (ﷺ) پر

نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو آپ (ﷺ) سے پہلے نازل کی گئیں اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اس صحیح راستہ پر ہیں جو ان کے ربّ کی طرف سے انہیں ملا ہے اور یہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں'' (یہاں فلاح سے مراد صرف آخرت کی بھلائی نہیں بلکہ دنیا کی بھلائی بھی ہے)۔

اب سورۃ البقرۃ ہی کے چند دوسرے مقامات ملاحظہ کیجئے جہاں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر بڑے تاکیدی انداز میں آیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖ وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ (البقرۃ:۱۹۵)

''اور تم لوگ اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں نہ ڈالو اور (خرچ وغیرہ کو) اچھی طرح کیا کرو۔ بے شک حق تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو''۔ (یہاں ہلاکت سے مراد اپنے آپ کو خواہشات میں الجھانا' اموال کو بڑھانے کی فکر کرنا اور جہاد کو چھوڑ دینا ہے)۔

نیز فرمایا:

﴿وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ ۬ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡنَ﴾ (البقرۃ:۲۱۹)

''اور وہ آپ (ﷺ) سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ آپ (ﷺ) کہہ دیں جو ضرورت سے زائد ہو۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے احکام واضح کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو''۔

زکوٰۃ کی ادائیگی تو فرض ہے۔ یہاں نفلی انفاق کی ترغیب ہے اور نیکی کی طرف سبقت کرنے کا کہا جا رہا ہے۔ سورۃ البقرہ میں اتنے خوبصورت انداز میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی ہے لیکن بات صرف یقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

''ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کے راستے میں' ایک دانہ

کی مانند ہے جس سے سات بالیں اگیں' ہر بال میں سو دانے ہوں' اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے' مزید بڑھاتا ہے' اور اللہ وسعت دینے والا' جاننے والا ہے''۔

غور کریں کہ سات سو گنا نفع تو یقینی ہے اور مزید کی امید بھی دلائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ پانچ روپے بھی روزانہ اللہ کے نام پر دیتے ہیں' اگر ان کا حساب کریں تو ۷۰۰x۵=۳۵۰۰ روپے بنتے ہیں۔ اس دنیا میں پانچ روپے کے بدلے ۳۵۰۰ روپے کوئی بینک نہیں دیتا' لیکن اللہ کے ہاں اجر کو دیکھئے۔ مزید یہ کہ اگر اللہ چاہے تو مزید دینے پر بھی قادر ہے' کیونکہ یہ کم از کم ہے۔ یہاں میں کہنا چاہوں گی کہ جتنا اِس دنیا میں رہنا ہے اِتنی کوشش اِس کے لئے کیجئے اور جتنا اُس دنیا میں رہنا ہے اُتنی کوشش اُس کے لئے کیجئے۔

مزید فرمایا:

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَیُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾ (بقرة: ۲۷۱)

''اگر تم خیرات علانیہ دو تو یہ بھی اچھی بات ہے' اور اگر تم اس کو چھپا کر دو اور تنگ دستوں کو پہنچاؤ تو وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے' اور وہ دُور کرے گا تمہارے کچھ گناہ' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے''۔

قرآن کی اس آیت پر غور کیجئے! یہاں نہ صرف ریاکاری سے مؤمن کو بچانا مقصود ہے بلکہ ضرورت مند مسلمان کا احساس کیا گیا ہے۔ یعنی تنگ دست مسلمان بھائی دوسروں کے سامنے شرمندگی محسوس نہ کرے۔ ایک اضافی فائدہ یہ بھی ہے کہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ آج کے دور میں کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ گناہوں سے پاک ہے۔ گناہوں کو کم کرنے کا نسخہ بھی اللہ پاک نے قرآن میں بتا دیا ہے۔

احادیث میں بھی صدقہ وخیرات کی بڑی ترغیب دی گئی ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''صدقے نے

کبھی مال میں کمی نہیں کی۔ اور معافی دینے کے سبب اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔کوئی بھی اللہ کے لئے تواضع نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اسے رفعت عطا کر دیتے ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے صدقہ وخیرات کی ترغیب دینے کے لئے یہ بھی فرمادیا کہ مال میں اضافہ ہوتا ہے کمی نہیں' کیونکہ شیطان انسان کو مفلسی سے ڈراتا ہے۔ شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لئے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ صرف آخرت میں ثواب کی بشارت ہے بلکہ دنیا میں بھی مال میں برکت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہماری بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ہمارے ملک میں چند دن سردی زیادہ ہو جائے تو غریب عوام جو سردی سے صحیح بچاؤ نہیں کر سکتے' اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں اور ہمارا ضمیر ہمیں ملامت تک نہیں کرتا۔ یہ دنیا فانی ہے۔اس کا علم ہونے کے باوجود ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اپنی جمع پونجی اپنی ہی ذات پر خرچ کریں' اپنا status بہتر کریں' اچھا سے اچھا پہن لیں' اچھے سے اچھا کھائیں اور خوبصورت گھر بنالیں۔ ایثار وقربانی کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے۔ سادگی اسلام کا حسن ہے۔ ہمارا معیارِ حسن بدل چکا ہے۔خواہشات کے گرداب سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہم آخرت کی زندگی کو مدِ نظر رکھ کر اپنا معیارِ زندگی متعین کریں یا بدلیں۔

بخاری ومسلم کی حدیث ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ برباد ہو گئے جو زیادہ دولت مند ہونے کے باوجود خرچ نہیں کرتے۔کامیاب صرف وہی ہوگا جو اپنی دولت لٹائے۔ سامنے والوں کو دے' پیچھے والوں کو دے اور بائیں جانب والوں کو دے' اور ایسے مال دار خرچ کرنے والے تو بہت ہی کم ہیں''۔

اپنے آپ کو تباہی وبربادی سے بچانا مقصود ہو تو اپنے آپ کو اسباب کی کثرت سے بچایئے' کیونکہ اشیاء کی کثرت نے ہمیں اللہ سے دُور کر رکھا ہے۔ یہ اٹل حقیقت ہے کہ قیامت کے روز اللہ پاک نے اپنی نعمتوں کی باز پُرس کرنی ہے۔ ہمیں اُس کی

نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا ہے۔ ہم دنیا میں کس قدر کھو چکے ہیں اس کا اندازہ ہمیں نہیں ہو رہا۔ آج ہم عورتوں کو سونا کس قدر مرغوب ہے' اس کا اندازہ آپ کسی بھی شادی پر جا کر کر سکتے ہیں۔ صدقہ و خیرات کرنے کا حکم صرف مردوں کے لئے نہیں ہے بلکہ عورتوں کے لئے بھی ہے۔ قرآن میں کئی مقامات پر زکوٰۃ دینے والی عورتوں اور صدقہ دینے والی عورتوں کے لئے کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ ایک بات میں واضح کر دوں کہ وہ خواتین جن کے شوہر حضرات سونے وغیرہ پر زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا ادا کرنے سے قاصر ہیں اُن خواتین کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے سونے کی زکوٰۃ خود ادا کریں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتیں تو اُتنا سونا رکھیں جس پر زکوٰۃ نہ ہو۔ وہ زیور جس پر زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو' قیامت کے روز آگ کے زیور کی صورت اختیار کر لے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو پاکیزہ مال میں سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے—— اور واضح رہے کہ اللہ قبول نہیں کرتا مگر پاکیزہ مال—— تو اللہ تعالیٰ اُسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اُس کی اِس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ ایک کھجور جتنا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے''۔ (متفق علیہ)

جو مال بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے وہ حلال ذرائع سے کمایا جائے اور بہترین ہو۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ﴾ (آیت ۲۶۸)

''اے ایمان والو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو۔ اور بری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ (اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو) بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کر لو ان کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا' قابل ستائش ہے''۔

جبکہ سورۂ آل عمران میں یہ الفاظ آئے ہیں:
﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ (آیت ۹۲)
''تم نیکی کے معیار کو ہرگز نہ پہنچ سکو گے جب تک اللہ کی راہ میں بہترین چیز خرچ نہ کرو گے''۔

وہ حضرات جو رزق حلال نہیں کماتے وہ بھی سوچیں کہ آخرت کے لئے کیا توشہ لے کر جائیں گے اور وہ حضرات جو ایسی چیزیں جو خود انہیں پسند نہیں ہوتیں وہ اللہ کے نام پر دوسروں کو دے دیتے ہیں ان کا عمل کیسا ہے؟ خود سوچیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ زکوٰۃ کے پیسوں سے سستا سا کپڑا لے آتے ہیں اور غرباء میں تقسیم کرتے ہیں۔ کم لوگوں کو دے دیں مگر صحیح چیز دیں۔ گھروں میں ایسا ہوتا ہے کہ نئے کپڑے' نئے جوتے آتے رہتے ہیں' اور جو چیز خراب ہو جاتی ہے یا دل سے اتر جاتی ہے وہ غریبوں کو دے دی جاتی ہے۔ آپ اُن کی مدد کے خیال سے ضرور دے دیں مگر اللہ کی راہ میں نیت کر کے نہ دیں۔ اس کے لئے بہترین چیز دیں۔ نبی اکرم ﷺ پیوند والے کپڑے اور جوتے ہی استعمال کر لیتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو چیزوں کی کثرت سے بچایئے۔ اچھا کپڑا اور جوتا لیں تو اس کو استعمال بھی صحیح کریں۔ آج کا فیشن ہے کہ کچھ دیر چیز استعمال ہوتی ہے' ابھی وہ صحیح حالت میں ہوتی ہے کہ دوسری لے لی جاتی ہے۔ اپنے اندر صبر و قناعت پیدا کیجئے۔ خواہشات کو محدود کیجئے۔ اسی طرح ہم کچھ پیسوں کو بچا کر دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں۔ اگر اپنی ضرورتوں کو پھیلا لیں گے تو دوسروں کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ آج ہمارا جو حال ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں۔ اپنا طرزِ زندگی بدلیں' اسی میں نجات ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''معراج شریف کے موقع پر میں نے دیکھا کہ جنت میں زیادہ تعداد فقراء اور مہاجروں کی ہے اور امیر اور غنی جنت کے دروازوں پر حساب دینے میں مشغول ہیں۔''

توکل علی اللہ بہت بڑی خوبی ہے۔ اس خوبی کی حقیقت اور فضیلت کو ہم جان لیں تو زندگی میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ کی ذات پر بھروسہ جتنا قوی ہو مشکلات میں

اللہ کی ذات اُتنی ہی مدد کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس کتنی زیادہ دولت مالِ غنیمت کے طور پر یا صحابہ کرام ﷡ کے ذریعے سے آتی تھی، لیکن نبی اکرم ﷺ اسے دونوں ہاتھوں سے لوگوں میں بانٹ دیتے تھے۔ آپؐ نے آنے والے وقت کی فاقہ کشی کو کبھی محسوس نہیں کیا تھا، بلکہ اللہ کی ذات کو رزاق سمجھا اور مانا تھا۔ امہات المومنین کے گھروں میں کئی کئی روز تک چولہا نہیں جلتا تھا، اس کے باوجود کبھی پس انداز کرنے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ ہمارے بینک اکاؤنٹ روپوں سے بھرے ہوتے ہیں پھر بھی ہم پریشان ہوتے ہیں۔ دنیا کی آسانی ڈھونڈتے رہتے ہیں اور اس آسانی کے لئے محنت کئے جاتے ہیں۔ دولت جمع کرتے کرتے موت کا وقت قریب آ جاتا ہے مگر اُس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ مفلسی کے خوف سے شیطان ڈراتا رہتا ہے اور ہم ڈرتے رہتے ہیں۔ ہم اللہ پر بھروسہ نہیں کرتے۔ سورۃ التغابن میں ہے: ﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (آیت ۱۶) ''اور جو شخص طبیعت کے بخل سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔ دنیا کے مزے لوٹنے کے بجائے جو کہ عارضی ہیں، آخرت کے لئے کوشش کیجئے۔ وقت بہت محدود ہے اور اعمال کے لئے وقت حقیقتاً بہت کم ہے۔ اپنے آپ کو عمل کے لئے تیار کیجئے۔ مؤمن کے لئے یہ دنیا قید خانہ ہے۔

ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: ''یارسول اللہ (ﷺ)! کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو صدقہ ایسی حالت میں کرے کہ تندرست ہو، مال کی حرص دل میں ہو، اپنے فقیر ہو جانے کا ڈر ہو، اپنے مال دار ہونے کی تمنا ہو۔ اور صدقہ کرنے کو اس وقت تک موخر نہ کرے کہ روح حلق تک پہنچ جائے، یعنی مرنے کا وقت قریب آ جائے تو تُو یوں کہے کہ اتنا مال فلاں (مسجد) کا اور اتنا مال فلاں (مدرسہ) کا، حالانکہ اب مال فلاں (وارث) کا ہوگیا''۔ (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ نے زندگی کی شکل میں جو مہلت دی ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھایئے اور خلوصِ دل سے توبہ کیجئے' اپنا مال اللہ کے راستے میں لگایئے۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ اپنے فضل سے آپ کی مالی پریشانیوں کو بھی دُور کرے اور آخرت کی ذلت سے بھی بچائے۔ نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کیجئے۔ دنیا میں لاکھوں روپے بینکوں میں جمع کروانے کی بجائے آخرت کے بینک میں جمع کروایئے۔ اپنی اولاد کی اچھی تربیت پر خرچ کریں۔ صدقہ جاریہ کے لئے اپنے پیسوں کو استعمال کریں۔ یہ یقین رکھئے کہ آپ کی اولاد کا جو نصیب ہے وہ اُسے ضرور ملے گا۔ ہماری حرص یہ ہوتی ہے کہ یہ بھی اپنی اولاد کے لئے جمع کر لیں اور وہ بھی۔ یہاں تک کہ ہم خود قبر میں چلے جاتے ہیں اور وہ مال انہیں مل جاتا ہے جو ان کے نصیب میں ہوتا ہے' باقی ضائع ہو جاتا ہے یا غلط ذرائع میں استعمال ہو جاتا ہے۔ البتہ جو مال آپ نے چھوڑا ہے اُس کا حساب آپ کو دینا ہوگا۔ آخرت کے حساب کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں۔ اللہ پاک ہم سب کے لئے وہ امتحان آسان کرے۔ (آمین)

ترمذی کی حدیث ہے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سخی آدمی اللہ سے قریب ہے' جہنم سے دُور ہے جبکہ بخیل آدمی اللہ سے دُور ہے اور جہنم سے قریب ہے''۔

غور کیجئے اور فیصلہ کن ارادہ کیجئے کہ اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے آپ کو کون سا راستہ اختیار کرنا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ ''صدقہ گناہوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ کو پانی کھا جاتا ہے''۔

اصلاح کی گنجائش انسان کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنی چاہئے' کیونکہ یہی سوچ عمل کے لئے راستہ آسان کرتی ہے۔ اپنے آپ کو بخیلوں کی صف سے نکالئے' کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ بخیل شخص کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ یہ قرآن کی رائے ہے اور قرآن ہی ہمارے لئے معیار ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں چند مثالیں بیان کرنا چاہوں گی تاکہ پڑھنے والوں میں جوش پیدا ہو جائے' کیونکہ جوش اگر ہوش کے ساتھ ہو تو وہ انسان کو بلندیوں

کی طرف لے جاتا ہے۔ عقل اکثر انسان کو گمراہ کر دیتی ہے' کیونکہ عقل کا غلط استعمال اللہ پر بھروسہ ختم کر دیتا ہے۔ عقل کے ذریعے ہی شیطان انسان کو مفلسی کے خوف سے ڈراتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ عقل کا استعمال نہ کیا جائے' بلکہ میں یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ اگر آپ کو اللہ سے شدید محبت ہے تو اس معاملے میں عقل کو وقتی طور پر پسِ پشت ڈال دیں۔

غزوۂ تبوک میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا سارا سامان لے آئے تھے۔ خواتین نے اپنے زیورات سے بھرپور مدد کی تھی۔ حضرت عثمان ؓ کو اس موقع پر بھی آنحضرت ﷺ نے جنت کی بشارت دی۔

ایک دفعہ حضرت عثمان غنی ؓ نے مدینے میں قحط کے دوران ایک ہزار اونٹ مع اناج خیرات کیے۔ اگر آپؓ بھی یہ سوچتے کہ میں اور میری اولاد قحط کے دوران کھانا کہاں سے کھائیں گے یا میرا اتنا نقصان ہو جائے گا تو کبھی خیرات نہ کر پاتے۔ ان کا ایمان' ایمان باللسان نہ تھا بلکہ اُن کا ایمان' ایمان بالقلب تھا۔ ہمیں بھی قلبی ایمان کی ضرورت ہے۔ ظاہری دنیا کو چھوڑنے کی ضرورت ہے اور آخرت کی زندگی کے لئے یقین کی ضرورت ہے۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھنے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان جو اخوت کا رشتہ پیدا کیا وہ بہت بڑی مثال ہے۔ انصار نے مہاجرین کو اپنی آدھی آدھی جائیداد دے دی۔ آج آپ سوچیں کہ جب افغانستان سے مہاجرین آئے تو اُن کے پاس رہنے کے لئے جگہ نہ تھی' لیکن گھروں میں جگہ دینا تو دُور کی بات ہے کسی نے یہ بھی نہیں کیا کہ میدان میں ان کو خیمے ہی لگا دیں۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ "اگر آدمی کو ایک وادی سونے کی دے دی جائے تو وہ دوسری کی آرزو کرتا ہے اور دو ہوں تو تیسری کی تمنا کرتا ہے اور آدمی کا پیٹ مٹی یعنی قبر کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی"۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لئے دعا کی تھی کہ:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا

''اے اللہ! میری اولاد کا رزق بقدر کفایت ہو''۔

یعنی ان کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ اتنا زائد نہ ہو جس کے چکر میں میری اولاد پھنس جائے۔

یہاں واضح کردوں کہ غریب ہونے کی دعا نہیں مانگی جارہی بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ مال کی کثرت نہ ہو جس سے میری امت گمراہ ہو جائے۔ غربت تو انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔ اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہنا چاہئے۔ اُس کا قرآن میں بھی حکم ہے۔ لیکن ہاتھ بھی کھلا رکھنا چاہئے۔ بُخل سے بچنا ہی انسان کی آزمائش ہے۔ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم میں بیان کیا گیا ہے کہ ''کوئی فقیر یا غنی قیامت میں ایسا نہ ہوگا جو اِس کی تمنا نہ کرے گا کہ دنیا میں اس کی روزی صرف بقدر کفایت ہوتی''۔

سب سے بری حسرت آخرت کی حسرت ہے۔ اپنی ضروریات کو محدود کریں۔ قناعت اور صبر پیدا کریں۔ مال کی محبت کی بجائے دل میں آخرت کا خوف پیدا کریں' کیونکہ عقل مند انسان وہ ہے جو عارضی کی بجائے ابدی کا متمنی ہو۔ اگر ہم حب مال سے نکل آئیں تو ہمارے پاس دین کے لئے بھی وقت نکل آئے گا۔ کیونکہ اگر ہمارے پاس پیسہ ہو تو ذہن اسے دوگنا کرنے میں یا اس کو خرچ کرنے کے سلسلے میں الجھا رہتا ہے۔

مشاہدہ کر کے دیکھ لیں آج کے لوگوں میں پیسے کی حرص کتنی ہے۔ سٹیٹس اور سٹینڈرڈ ہمارے ذہنوں میں کس طرح راسخ ہے۔ ہم اور آپ اشیاء کی کثرتوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہم بخوبی اپنے بارے میں جانتے ہیں اور اپنا محاسبہ کر سکتے ہیں۔

موجودہ دَور کے حالات کتنے سنگین ہیں۔ اس کا اندازہ ہر شخص کو اپنی اپنی جگہ ہے کہ کس طرح ہم معاشی طور پر جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ آج وقت انفرادی نیکی کے علاوہ اجتماعی عمل کا بھی ہے۔ معاشی طور پر ہمارا ملک چاہے امیر ہو رہا ہے یا نہیں مجھے اس سے بحث نہیں' البتہ یہ حقیقت ہے کہ آج کا امیر شخص مزید امیر ہو رہا ہے اور غریب شخص مزید غریب ہو رہا ہے۔ حالات تیزی سے خراب ہو رہے

ہیں۔ صاحب حیثیت لوگ اپنے ارد گرد کے لوگوں کی مدد کریں۔ خصوصی طور پر ایثار کریں۔ یقیناً اس کی آپ کو سچی خوشی ہوگی۔ بہترین پیسہ وہ ہے جو اسلام کی بقا کے لئے استعمال ہو۔ جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین کی جدوجہد کے لئے اپنا مال خرچ کیجئے' کیونکہ اسلام کی شمع آندھیوں کی زد میں ہے۔ اس کو آپ سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اپنے خلوص کی چھاؤں کو اس پر تان دیں' کیونکہ جب تک یہ جل رہی ہے ہم باقی ہیں۔ جب ہم غافل ہو جائیں گے تو ہم مٹ جائیں گے' لیکن شمع نہیں بجھے گی' بلکہ اس کی حفاظت کے لئے اللہ دوسرے لوگوں کو پیدا کر دے گا۔ لیکن ہم آخرت کی فلاح سے محروم ہو جائیں گے۔ امام غزالی فرماتے ہیں: ''پہلے لوگ اس کو برا سمجھتے تھے کہ کوئی دن صدقہ کرنے سے خالی رہ جائے' چاہے ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو یا روٹی کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو''۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ماہنامہ ''العصر'' کی آئندہ اشاعت خصوصی

نفاذ شریعت نمبر

مجلس عمل کی قیادت نے صوبہ سرحد میں حکومت بنانے کے بعد مدیر ''العصر'' مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب مہتمم جامعہ عثمانیہ کی سربراہی میں ۱۲ رکنی ''نفاذ شریعت کونسل'' تشکیل دی' جس نے نہایت مختصر عرصے میں انتھک محنت کے بعد اپنی سفارشات مکمل کر کے حکومت سرحد کے حوالے کر دیں جو کابینہ کی منظوری کے بعد اب اسمبلی میں پیش ہونے والی ہیں۔ ''العصر'' اس سلسلے میں ''نفاذ شریعت نمبر'' شائع کر رہا ہے:

☆ پاکستان میں اسلامائزیشن کی کوششوں کا تاریخی جائزہ ☆ سیاسی اتحادوں کی تاریخ اور ان کا انجام ☆ مذہبی جماعتوں کے اتحاد ''مجلس عمل'' کے عوامل اور تاریخی کامیابی ☆ کونسل کی تشکیل کا پس منظر ☆ سیاسی اور قانونی رکاوٹیں ☆ کونسل کی سفارشات ☆ وزراء اور اربابِ حکومت کے لئے اخلاقی ضابطے ☆ نفاذ شریعت ایکٹ ☆ حسبہ ایکٹ ☆ صحت' تعلیم' معیشت اور دوسرے شعبوں کے لئے کونسل کی سفارشات کی تفصیل ☆ سفارشات پر نامور اہل قلم کے تجزیئے اور رپورٹیں ☆ آئندہ کے عزائم اور اس کے علاوہ بہت کچھ۔

صفحات: دو سو سے زائد...... اعلیٰ ایڈیشن: 100 روپے...... عام ایڈیشن: 76 روپے

نوٹ: چار کاپیاں خریدنے والے کے لئے ایک کاپی مفت

رابطہ: ناظم ماہنامہ ''العصر'' پوسٹ بکس نمبر 1209 جی پی او پشاور صدر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

ترکش مارا خدنگِ آخریں

تحریر: پروفیسر خورشید احمد

برعظیم پاک و ہند کے علمی اور دینی افق کو درخشاں کرنے والے تمام ستارے ایک ایک کر کے ڈوب گئے ہیں......!

علامہ اقبال گئے' مولانا اشرف علی تھانوی گئے' مولانا ابوالکلام آزاد گئے' مولانا شبیر احمد عثانی گئے' سید سلیمان ندوی گئے' مفتی محمد شفیع گئے' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی گئے' ڈاکٹر فضل الرحمٰن گئے' مولانا امین احسن اصلاحی گئے' مولانا سید ابوالحسن علی ندوی گئے...... اور اب مشرق سے ابھرنے والے اس سنہری سلسلے کا آخری تارہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مغرب کی آغوش میں ہمیشہ کی نیند سو گیا۔......انا للہ وانا الیہ راجعون!

محمد حمید اللہؒ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ دولت آصفیہ ہی میں ابتدائی سے اعلیٰ تعلیم تک کے مراحل طے کئے اور عثمانیہ یونیورسٹی سے' جو برعظیم کی تاریخ میں اردو کے محوری کردار اور اپنی اعلیٰ علمی روایات کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتی تھی' ایم اے اور ایل ایل بی کی سندات امتیازی شان سے حاصل کر کے اسی جامعہ میں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ تقسیم ملک سے کچھ قبل اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے اور بون (Boon) یونیورسٹی سے بین الاقوامی قانون کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی سند حاصل کی۔ ڈاکٹر حمید اللہؒ کی یہی تحقیق تھی جو بعد میں ضروری اضافوں کے ساتھ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف Muslim Conduct of State بنی۔ جرمنی سے فرانس منتقل ہو گئے اور سوربون (Sorbonne) یونیورسٹی سے عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری

کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈی لٹ کی سند حاصل کی۔

اس زمانے میں سقوط حیدرآباد (۱۹۴۸ء) کا سانحہ رونما ہوا۔ اس کے بعد پھر ڈاکٹر حمید اللہ پیرس ہی کے ہو کر رہ گئے۔ میرے استفسار پر ایک بار بتایا کہ میں دولت آصفیہ کے پاسپورٹ پر یورپ آیا تھا۔ پھر میری غیرت نے قبول نہ کیا کہ بھارت کا پاسپورٹ حاصل کروں۔ فرانسیسی شہریت بھی ساری عمر حاصل نہ کی۔ پناہ گزین کی حیثیت پر تمام عمر قانع رہے اور محض وثیقہ راہ داری (travel documents) کے ذریعے عالمی سفر کرتے رہے جس کے تحت چھ ماہ کے اندر اندر انہیں فرانس واپس آنا پڑتا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ کسی ملک کے بھی شہری نہ تھے بلکہ ذہنی اور مادی ہر دو اعتبار سے اس دنیا ہی کے شہری نہ تھے۔ ستر سال بغیر پاسپورٹ کے گزارے اور بالآخر وہاں چلے گئے جہاں کسی دُنیوی پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہوتی...... ہاں ان کے پاس ایمان، عمل صالح اور علم و تحقیق اور دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کی جانے والی زندگی کا سرمایہ تھا اور یہی سب سے کام آنے والی چیز ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ مشرق اور مغرب کی نو زبانوں پر قدرت رکھتے تھے اور چار میں (اردو، انگریزی، فرانسیسی، عربی) بلاواسطہ تحریر و تقریر کی خدمت انجام دیتے تھے۔ مطالعہ اور گفتگو کی اعلیٰ استعداد جرمنی، اطالوی، فارسی، ترکی اور روسی زبانوں میں بھی حاصل تھی۔ پیرس کے مشہور تحقیقی مرکز Centre National de la Researche Scientifique سے ریٹائرمنٹ تک وابستہ رہے۔

علم و تحقیق اور دعوت و تبلیغ سے ایسا رشتہ باندھا کہ رشتۂ ازدواج کی فکر کی مہلت بھی نہ ملی اور امام ابن تیمیہؒ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گھر بار کے جھگڑے سے آزاد رہے اور صرف علم کا ورثہ چھوڑا۔ عالم اسلام کی چوٹی کی جامعات میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، خصوصیت سے جامعہ استنبول سے طویل عرصے تک متعلق رہے۔ وہ ہر سال چند ماہ وہاں گزارتے تھے۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں بھی ۱۲ خطبات دیئے جو ''خطباتِ بہاولپور'' کے عنوان سے شائع ہوئے اور ان کا خوبصورت انگریزی ترجمہ ڈاکٹر افضل

اقبال نے کیا اور یہ The Emergence of Islam کے نام سے شائع ہوئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ فکر و نظر کے اعتبار سے ٹھیٹھ مسلمان تھے۔ انہوں نے سلف کے نقطۂ نظر کو پوری دیانت سے جدید زبان اور استشراق کے اسلوب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیش کیا اور ایک حد تک یہ کہنا درست ہوگا کہ اسلامی علوم اور دورِ جدید کے طلبہ اور محققین کے درمیان ایک پل بن گئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی دلچسپیوں کا دائرہ بڑا وسیع تھا اور اس حیثیت سے ان کا کام کثیر الجہتی (multi dimensional) تھا۔ انہوں نے تحقیق کے مختلف میدانوں میں بڑے معرکہ کی چیزیں پیش کیں' لیکن شاید ان کی سب سے زیادہ دین (contribution) مسلمانوں کے بین الاقوامی قانون کے میدان میں ہے جس میں انہوں نے علمی دنیا سے یہ منوالیا کہ بین الاقوامی قانون کے اصل بانی مسلمان فقہاء اور علماء ہیں' سترھویں صدی کے مغربی مفکرین نہیں۔ تدوین حدیث کے باب میں بھی ان کا کام بڑا وقیع ہے اور صحیفہ ہمام بن مُنبّہ کی تالیف اور اشاعت ان کا بڑا کارنامہ ہے جس نے یہ ثابت کر دیا کہ حدیث کی کتابت دورِ رسالت مآب ﷺ اور دورِ خلافت راشدہ ہی میں شروع ہوگئی تھی۔ یہ مسودہ ان کو جرمنی کی ایک لائبریری سے ملا جس کو مناسب انداز میں تدوین کر کے اور یہ دکھا کر کہ اس اولین مسودے میں لکھی ہوئی احادیث اور بعد کے مجموعوں میں پائی جانے والی احادیث میں کوئی فرق نہیں ہے' انہوں نے بڑے سائنسی انداز میں حدیث کی صحت کو منوانے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ حضور پاک ﷺ کی سیاسی زندگی' آپؐ کے غزوات' سفر ہجرت' خطوط اور وثائق کی تلاش اور ترتیب...... ان سب میدانوں میں ڈاکٹر حمید اللہ نے تحقیق اور تسوید کے وہ نقوش قائم کیے ہیں جو تادیر چراغ راہ رہیں گے۔

اسلامی فقہ کی تدوین اور خصوصیت سے امام ابوحنیفہؒ کی methodology پر ان کا کام راہ کشا حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی قانون اور قانونِ روما کے فرق کو بھی انہوں نے بڑے قاطع دلائل سے ثابت کیا اور مستشرقین کے اس غبارے سے ہوا نکال دی کہ

اسلامی قانون دراصل قانونِ روما سے ماخوذ ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے ترجموں کی معلومات کو جمع کرنا بھی ان کا ایک پسندیدہ موضوع تھا اور اس سلسلے میں ان کی کاوش اساسی اور بنیادی کوشش کا مقام رکھتی ہے۔ ان کے طرزِ تحقیق میں صرف کتابی محنت ہی شامل نہ تھی۔ حضور پاک ﷺ کے سفرِ ہجرت کی تحقیق میں انہوں نے پاپیادہ، گھوڑے اور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس راستے پر عملاً سفر کیا جس سے حضور پاکؐ نے ہجرت فرمائی تھی اور اس طرح اس شاہراہ کو متعین کیا جو روایات میں دھندلی ہوگئی تھی۔ قرآن پاک اور سیرتِ مبارکہ ان کی زندگی کے صورت گر ہی نہ تھے، ان کی علمی دلچسپی کا بھی محور تھے۔

فرانسیسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور فرانسیسی زبان ہی میں دو جلدوں میں سیرت پاکؐ کی تدوین بھی ان کے نمایاں کاموں میں سے ایک ہے۔ سیرت کی کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ڈاکٹر صاحب نے خود ہی کیا ہے جو شائع ہو گیا ہے۔ سو سے زیادہ مقالے اور مضامین ان کے قلم سے نکلے اور اہل علم کی تشنگی دُور کرنے کا ذریعہ بنے۔ یقیناً ان کی چھوٹی بڑی کل کتب کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ سے میری پہلی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب میں ابھی طالب علم تھا اور اسلامی جمعیت طلبہ میں سرگرم تھا اور وہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو اسلامی دستور سازی میں مدد دینے کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ وہ مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد انصاری کے ساتھ مجلس تعلیماتِ اسلامی کے رکن تھے اور اسمبلی کی عمارت ہی کے ایک حصے میں ان کا دفتر تھا۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے اس وقت مجھے چونکا دیا جب ''چراغ راہ'' کے اسلامی قانون نمبر کی اشاعت پر بالکل غیر متوقع طور پر ان کا تین صفحے کا خط موصول ہوا۔ اور تین صفحے بھی ایسے کہ ان میں ۱۰ صفحوں کا لوازمہ موجود تھا، کیونکہ ڈاکٹر صاحب ہلکے کاغذ پر چھوٹے حروف میں اس طرح لکھتے تھے کہ مختصر حاشیے کے سوا ہر جگہ بھری ہوتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی بات ان کی محنت تھی۔ اسلامی قانون نمبر پر بہت خوش

تھے۔ بڑی فراخ دلی سے اس کی تعریف کی لیکن ساتھ ہی بڑے انکسار سے لکھا کہ آپ کو زحمت سے بچانے کے لئے دوسرے ایڈیشن کے لئے کتابت کی غلطیوں کی نشان دہی کر رہا ہوں اور اس طرح صفحہ اور سطر کے تعین کے ساتھ تین صفحوں میں انہوں نے میری اور میرے ساتھیوں کی بے احتیاطی کی تلافی کا سامان کر دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے خط و کتابت کا سلسلہ چالیس سال پر پھیلا ہوا ہے مگر کس دل سے لکھوں کہ اس کا بیشتر حصہ محفوظ نہ رہ سکا! آخری خط میری مختصر کتاب Family Life of Islam کے فرانسیسی ترجمے پر ان کی تصحیح وتنقید سے عبارت تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۸ء میں جو فلیٹ پیرس میں کرائے پر لے لیا تھا وہ ایک ایسی عمارت کی چوتھی منزل پر تھا جس میں لفٹ نہ تھی۔ انہوں نے پیرس کے قیام کے آخری ایام تک اسی میں سکونت رکھی۔ اس فلیٹ کا ایک ایک کونہ بشمول باورچی خانہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا اور یہی ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔ زندگی اتنی سادہ کہ کپڑے کے چند جوڑوں اور کھانے کے چند برتنوں کے سوا ان کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ کھانے کے بارے میں بھی اتنے محتاط تھے کہ حلال گوشت نہ ملنے کے باعث زمانۂ طالب علمی میں ہی گوشت کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ سبزی اور پنیر پر گزارا کرتے تھے۔ اور جب یہ شبہ ہوا کہ پنیر میں بھی جانور کی آنتوں کی چربی استعمال ہوتی ہے تو اس سے بھی دست کش ہو گئے۔ علم وتقویٰ قناعت اور سادگی میں سلف کی مثال تھے۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ متعدد علمی مذاکرات میں شرکت کی ہے لیکن سب سے زیادہ یادگار وہ مخیم (تربیتی کیمپ) تھا جو فرانس میں ایک دیہاتی علاقے میں فرانس کے مسلمان طلبہ کی اسلامی تنظیم (UMSO) کے تحت منعقد ہوا تھا اور جس میں پانچ دن رات ہم نے ساتھ گزارے۔ ڈاکٹر صاحب بھی عام طلبہ کی طرح زمین پر سوتے اور اپنے برتن اپنے ہاتھ سے دھوتے تھے۔ مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ کمالِ التفات سے ڈاکٹر صاحب نے میری تقاریر کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ فرمایا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

وقت کی پابندی میں بھی ڈاکٹر صاحب اپنی مثال آپ تھے۔ اس کی کوئی دوسری مثال اگر میں دے سکتا ہوں تو وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے۔ یہاں اس واقعے کا ذکر بھی شاید غیر متعلق نہ ہو (اور اس کے راوی ڈاکٹر صاحب کے دیرینہ ساتھی اور میرے بزرگ دوست احمد عبداللہ المسدوسی مرحوم ہیں) کہ حیدرآباد کا نوجوان حمید اللہ اپنی پوری طالب علمی کے دَور میں صرف ایک بار کلاس میں تاخیر سے پہنچا (غیر حاضری کا تو سوال ہی نہ تھا) اور یہ وہ دن تھا جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا۔ تدفین کے بعد یہ نوجوان سیدھا جامعہ گیا اور کلاس میں شریک ہوگیا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

ڈاکٹر حمید اللہ صرف علم و تحقیق ہی کے مردِ میدان نہ تھے' دعوت و تبلیغ میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ پیرس کی جامع مسجد میں ایک مدت تک تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ انفرادی ملاقاتوں سے لے کر تبلیغی دورے اور ملکی اور بین الاقوامی کانفرنسیں' ہر جگہ انہوں نے دعوت کا کام انجام دیا۔ فرانس میں وہ صرف شمالی افریقہ کے مسلمانوں کا ہی مرجع نہ تھے بلکہ فرانسیسی مسلمانوں کا بھی ایک حلقہ ان کے گرد قائم تھا۔ طلبہ اور نوجوانوں میں وہ بے حد مقبول تھے۔ وہ ان کو وقت دینے میں بے پناہ فراخ دل تھے۔

ڈاکٹر حمید اللہؒ سیاسی آدمی نہ تھے۔ اربابِ حکومت نے ان کو قریب لانے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ان سے کنارہ کش رہے۔ علمی اور ادبی اعزازات سے ان کا پیچھا کیا لیکن وہ ہمیشہ ان سے دامن کش رہے۔ مجھے علم ہے کہ فیصل ایوارڈ میں ان کا نام آیا لیکن انہوں نے معذرت کر لی۔ پاکستان نے ہجری ایوارڈ ان کو پیش کیا مگر انہوں نے رسمی طور پر قبول کرنا پسند نہ کیا اور رقم اسلامک یونیورسٹی کے لئے وقف کر دی۔ سیاسی نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی دینی حس اتنی بیدار تھی کہ آزاد حیدرآباد دکن سے یورپ جانے کے بعد مقبوضہ حیدرآباد دکن کبھی واپس نہ آئے' بلکہ جب میں نے اصرار کیا کہ

اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کے پروگرام میں شریک ہوں تو بڑے دکھے دل سے کہا کہ میں اس انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھنا پسند نہیں کرتا جس نے میرے آزاد ملک کو بھارت کی غلامی میں دے دیا۔ وہ کبھی برطانیہ نہ آئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ اس وقت تک تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں مصروف رہے جب تک قویٰ نے ساتھ دیا۔ جب بیماریوں نے اس طرح آ لیا کہ یہ کام جاری نہ رکھ سکے تو اپنی جان سے قیمتی لائبریری علمی کاموں کے لئے وقف کر دی اور خود امریکہ میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے گئے۔ جب مجھے ایک اعلیٰ پاکستانی افسر اور سید حسین نصر کے توسط سے ان کی اس حالت کا علم ہوا تو میں نے کوشش کی کہ وہ پاکستان تشریف لے آئیں' اور اس سلسلے میں صدر مملکت کو میں نے ایک خط بھی لکھا جس کا مثبت جواب ملا' لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے اعزہ کی پیشکش کو ترجیح دی اور فلوریڈا منتقل ہو گئے۔ افسوس پاکستان ان کے اس آخری دور میں ان کی خدمت کی سعادت سے محروم رہا۔ ۲۰۰۲ء کے دسمبر کے تیسرے ہفتے میں ایک صدی (۹۵ سال) اس عالم ناپائیدار میں گزار کر' علم و دعوت کی سینکڑوں شمعیں روشن کر کے' اللہ کا یہ بندہ اپنے ربّ کی طرف مراجعت کر گیا تا کہ عبادالرحمٰن کے ابدی مسکن کو پا لے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے' ان کی بشری لغزشوں سے صرفِ نظر کرے اور انہیں جنت کی بہترین وادیوں میں جگہ دے ؏

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔